بیادگار: حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ

خواتین کا ترجمان

ماہنامہ

# رضوان

لکھنؤ

جلد نمبر ۶۲

شمارہ نمبر ۴

اپریل ۲۰۱۸ء

APRIL 2018

سالانہ زرتعاون

| | | |
|---|---|---|
| برائے ہندوستان | : | ۲۰۰روپے |
| غیر ملکی ہوائی ڈاک | : | ۴۰ امریکی ڈالر |
| فی شمارہ | : | ۲۰ روپے |
| لائف ٹائم خریداری | : | ۸۰۰۰روپے |

نوٹ

خط وکتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر اور مکمل صاف پتہ ضرور لکھیں، اگر مدت خریداری کے ختم ہونے کے وقت کی پرچی پتہ کی چٹ پر لگی ہو تو براہ کرم مدت خریداری ختم ہوتے ہی رقم ارسال فرمائیں۔ (منیجر)

ایڈیٹر

محمد حمزہ حسنی

مجلس ادارت

میمونہ حسنی — عائشہ حسنی

جعفر مسعود حسنی — محمود حسن حسنی

ڈرافٹ پر RIZWAN MONTHLY لکھیں

زر تعاون اور خط وکتابت کا پتہ

ماہنامہ رضوان

۱۷۲/۵۴، محمد علی لین گوئن روڈ لکھنؤ

پن کوڈ: ۲۲۶۰۱۸ - موبائل: ۹۴۱۵۹۱۱۵۱۱

Rizwan (Monthly)
172/54, Mohammad Ali Lane
Gwynne Road Lucknow
Pin:226018- Mobile: 9415911511

ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر محمد حمزہ حسنی نے مولانا محمد ثانی حسنی فاؤنڈیشن کے لیے نظامی آفسیٹ پریس میں چھپوا کر دفتر رضوان محمد علی لین سے شائع کیا

کمپوزنگ: ناشر کمپیوٹر، لکھنؤ۔ فون: 9792913331

E-Mail : azizpaitepuri@gmail.com

# فہرست مضامین


- اپنی بہنوں سے ........ مدیر ........ 5
- حدیث کی روشنی میں ........ امۃ اللہ تسنیم ........ 6
- ہرگز مشتعل نہ ہوں! ........ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ........ 8
- حضرت مولانا علی میاں ندویؒ ........ محمد شاہد خاں ندوی ........ 11
- امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، چند امتیازی خصوصیات ........ مفتی محمد حبیب الرحمان دیودرگی ........ 19
- مساواتِ مرد وزن کا پر فریب نعرہ! ........ مفتی محمد مبین احمد قاسمی دیگلوری ........ 23
- اولاد اور والدین کے باہمی حقوق ........ ڈاکٹر احمد عمر ہاشم ........ 26
- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منافقین کے ساتھ طرز عمل ........ مولانا ابو عماد زاہد الرشیدی ........ 31
- اسلام کا عائلی نظام انسانیت کیلئے رحمت ہے ........ محمد صابر حسین ندوی ........ 33
- سوال وجواب ........ مفتی راشد حسین ندوی ........ 38
- میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟ ........ ادارہ ........ 39
- آخری صفحہ ........ مولانا قمر الزماں ندوی ........ 42

# اپنی بہنوں سے

مدیر

اللہ کے سوا جو کچھ ہے سب اس کی مخلوق ہے وہ سب کا خالق ہے ادنیٰ سے ادنیٰ مخلوق کی تخلیق میں بھی ہزاروں مصالح پوشیدہ ہیں۔ کسی مخلوق کے اختیار میں یہ ہرگز نہیں ہے کہ وہ مخلوق خدا کی کسی جنس کو مٹا سکے سوا اس کے کہ خالق خود ہی چاہے۔ پس یہ شرک وکفر، بدعت وضلالت بھی مخلوق باری ہیں ان میں سے کسی کو مٹا ڈالنا یہ کسی کے بس کی بات نہیں اور ہماری اور آپ کی کیا یہ تو کسی نبی اور رسول کی بھی ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ کفر وشرک کو مٹا ڈالے اس کا کام تو انتہائی کوشش، جدوجہد، ہمدردی ودلسوزی کے ساتھ پیغام خداوندی کو مخلوق خدا تک پہنچا دیتا ہے اور افہام وتفہیم سے رافت ومحبت سے ترغیب وترہیب سے حکمت ودعا سے مخلوق خدا کو راہ پر لانے کی کوشش کر گزرتا ہے اور بس۔

کفر پھیل رہا ہے، شرک عام ہو رہا ہے، بے حیائی تہذیب کا جزو بن رہی ہے۔ مکر وفریب، دانشمندی کا ثبوت بن رہا ہے، جھوٹ کو سچ کر دکھانا، جعل کو اصل بنا دینا کمال سمجھا جانے لگا ہے، واعظین کی تقریریں پکار رہی ہیں، مصنفین کی تصنیفیں اعلان کر رہی ہیں، دینی رسالوں کے مضامین چلا رہے ہیں۔ یہ حق ہے یہ باطل ہے یہ روا ہے یہ ناروا ہے۔ مگر مخلوق خدا ہے کہ اس کے کان پر جوں نہیں رینگتی۔ وہ دوزخ کا رخ کیے ہوئے ہے، تو کیا ہم کو تھک کر بیٹھ جانا ہے؟ نہیں، جب شیطان جو ہزاروں بار منھ کی کھا چکا ہے اور کھاتا رہے گا وہ اپنی کوشش میں غفلت نہیں برتتا تو ہم کیوں ہاریں۔ جب وہ ایسے کام پر مستعد ہے جس کی اس پر ذمہ داری نہیں ہے بلکہ بغض وحسد اور عناد کے سبب اس نے یہ لعنت اپنے سر منڈھ لی ہے تو ہم کیسے خاموش ہو سکتے ہیں جب کہ ہماری ذمہ داری ہے، نتیجہ کے ہم ذمہ دار نہیں۔ ہمارا کام تاحیات جدوجہد کی وصیت کرتے رہنا ہے، ان شاء اللہ سعید روحیں ضرور استفادہ کریں گی اور ہم بہرحال ماجور ہوں گے اور اگر ہم نے ہاتھ پیر ڈال دیئے تو مواخذہ اور پکڑ کا اندیشہ ہے اس لئے تمام دینداروں سے ہماری یہ اپیل ہے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں تاحیات مشغول رہیں اور ایک دوسرے کا تعاون کرتے رہیں۔

بات پہنچانے کے مختلف مواقع ہوتے ہیں بعض مواقع ایسے ہوتے ہیں کہ اس وقت زبانی عرض کیے گئے۔ چند جملے وہ کام کر گزرتے ہیں جو ہزاروں کتابوں سے نہ بنتے اور بسا اوقات کمرے کی تنہائی میں کسی کتاب یا رسالے کا مضمون دل میں اتر کر ایسی کایا پلٹ کر دیتا ہے جو ہزاروں تقریریں نہ کر پاتیں۔ پس ہم کو کوئی موقع کھونا نہ چاہئے ہر وقت چوکنا رہنا چاہئے ضرورت پڑے تو ہماری زبان کام کرے اور ضرورت پڑے تو ہمارا قلم چل پڑے۔ نیز پڑھے لکھے افراد کو معتبر کتابیں اور سنجیدہ رسائل کے مطالعہ کا مشورہ دینے میں ہماری زبان ہرگز دریغ نہ کرے۔ خود اپنے اندر سے عیب نکالتے ہوئے ہم میں کا ہر فرد سنجیدگی کے ساتھ معاشرے کی خرابیوں پر تبصرہ کرنے کے بجائے سارے انسانوں کو عموماً اور اپنے بھائیوں کو خصوصاً خرابیوں پر غور کرنے ان کے نقصانات کو سمجھنے اور پھر ان کے ترک کرنے پر سنجیدگی کے ساتھ آمادہ کرنے کی کوشش کریں۔

حدیث کی روشنی میں

امۃ اللہ تسنیم

# رات کے قیام کی فضیلت

## حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طول قیام

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اتنی دیر کھڑے رہتے تھے کہ آپ کے قدم مبارک پر ورم آجاتا تھا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ اتنی مشقت کیوں فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے تو آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف کردیئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ (بخاری، مسلم)

## عزیزوں کو ترغیب

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت میرے اور فاطمہؓ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا تم دونوں نماز نہیں پڑھتے۔ (بخاری۔ مسلم)

## تہجد کی اہمیت

حضرت سالم بن عبداللہؓ بن عمرؓ سے اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عبداللہ بہت اچھا آدمی ہے، اگر رات کو نماز بھی پڑھتا، سالمؒ کہتے ہیں کہ اس دن سے عبداللہؓ رات کو بہت تھوڑا ہی سونے لگے۔ (بخاری، مسلم)

## پڑھنے کے بعد چھوڑ دینا

حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن عاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عبداللہ تم فلاں کی طرح نہ کرنا کہ تہجد پڑھتے پڑھتے چھوڑ دیا۔ (بخاری، مسلم)

## غفلت کی رات

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک آدمی کا ذکر ہوا کہ وہ رات ایسا سویا کہ صبح کی خبر لی۔ آپ نے فرمایا شیطان نے اس کے کانوں میں پیشاب کردیا۔ (بخاری، مسلم)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے ہر شخص کے سونے کی حالت میں شیطان گدی پر تین گرہیں لگاتا اور ہر گرہ پر کہتا ہے کہ ابھی رات باقی ہے سوتے رہو، اگر وہ جاگ اٹھا اور اللہ کا ذکر کیا تو ایک گرہ کھل گئی پھر اس نے وضو کیا تو دوسری گرہ کھل گئی، پھر اگر نماز پڑھ لی تو تیسرا گرہ بھی کھل جاتی ہے اور وہ صبح کو چست و چاق اور اچھا دل لے کر اٹھتا ہے ورنہ مضمحل و بدمزہ و کسلمند اٹھتا ہے۔ (بخاری، مسلم)

## تہجد کی فضیلت

حضرت عبداللہؓ بن سلام سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو سلام کو رائج کرو اور کھانا کھلاؤ اور رات کو جب سب لوگ سو رہے ہوں تم نماز پڑھا کرو تو تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہوگے۔ (ترمذی)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا افضل روزہ، رمضان کے بعد، محرم کا روزہ ہے اور فرض نماز کے بعد، افضل ترین نماز تہجد کی ہے۔ (مسلم)

## تہجد کی نماز دو دو رکعت کر کے ہے

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رات کی نماز (یعنی تہجد) دو دو رکعت ہے اور جب صبح ہوجانے کا ڈر ہو تو ایک رکعت وتر پڑھ لے۔ (بخاری، مسلم)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو دو دو رکعت پڑھا کرتے تھے اور وتر ایک رکعت پڑھتے تھے۔ (بخاری، مسلم)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب روزے چھوڑتے تھے تو متواتر چھوڑتے رہتے تھے یہاں تک کہ گمان ہوتا تھا کہ آپ اس مہ

میں روزہ ہی نہ رکھیں گے اور جب روزہ رکھتے تھے تو رکھتے چلے جاتے تھے اور یہ گمان ہوتا تھا کہ اب اس مہینہ روزہ نہ چھوڑیں گے اور اگر تم آپ کو نماز پڑھتے دیکھنا چاہتے تو آپ کو نماز پڑھتے ہی دیکھتے، اور اگر آپ کو سوتا ہوا دیکھنا چاہتے تو سوتا ہوا ہی دیکھتے۔(بخاری)

## تہجد میں آپ کا معمول

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد میں گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے اور سجدہ اس قدر لانبا ہوتا تھا کہ اتنی دیر میں پچاس آیتیں کوئی پڑھ لے، پھر دو رکعتیں صبح سے پہلے پڑھتے تھے اور اپنے دائیں پہلو پر لیٹ جاتے تھے یہاں تک کہ مؤذن آ کر آپ کو نماز کی اطلاع کرتا۔(بخاری)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں گیارہ رکعتیں پڑھتے اور اس سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، چار رکعت پڑھتے تھے لیکن ان چاروں رکعت کی خوبی اور ان کی درازی کا سوال ہی مت کرو۔ پھر چار رکعت پڑھتے مگر ان کی خوبی اور طویل ہونے کو پوچھو ہی مت کہ وہ کس پائے کی ہوتی تھیں۔ اس کے بعد تین رکعتیں پڑھتے تھے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ وتر سے پہلے سوجاتے ہیں، آپ نے فرمایا عائشہؓ میری آنکھیں سوتی ہیں لیکن میرا دل جاگتا ہے۔(بخاری، مسلم)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اوّل رات میں سوجاتے تھے اور آخر رات میں نماز کے لئے کھڑے ہوجاتے تھے۔(بخاری، مسلم)

## تہجد میں طویل قیام

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، آپ کے قیام میں اتنی دیر لگی کہ میرے دل میں فاسد خیالات آنے لگے۔ لوگوں نے کہا کیسے خیالات؟ انہوں نے کہا میں نے ارادہ کیا کہ آپ کو چھوڑ کر بیٹھ جاؤں۔(بخاری، مسلم)

حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ ایک رات میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، آپ نے سورۂ بقرہ شروع کی، مجھے خیال ہوا کہ آپ سو آیتوں پر پہنچ کر رکوع کریں گے، مگر آپ آگے بڑھ گئے تو میں نے خیال کیا کہ شاید آپ پوری سورۂ بقرہ ایک رکعت میں پڑھیں لیکن آپ پڑھتے ہی چلے گئے تو مجھے خیال ہوا کہ شاید اب رکوع کریں لیکن آپ نے سورۂ نساء شروع کردی، اس کو پڑھ کر آل عمران شروع کردی اور اس کو آہستہ آہستہ تلاوت فرماتے رہے۔ جب تسبیح کی آیت پر پہنچتے تو تسبیح کرتے اور جب سوال کی آیت پر پہنچتے تو سوال کرتے تھے اور جب پناہ کی آیت پر پہنچتے تھے تو پناہ مانگتے تھے۔ پھر آپ نے رکوع کیا اور سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم کہنا شروع کیا، پس آپ کا رکوع قیام ہی کی طرح تھا۔ پھر آپ نے سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ، رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ پڑھا اور بہت دیر تک کھڑے رہے، پھر سجدہ کیا اور سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کہنا شروع کیا اور وہ سجدہ قیام ہی کی طرح لانبا تھا۔(مسلم)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے عرض کیا کہ کون سی نماز زیادہ افضل ہے، آپ نے فرمایا لمبے قیام والی۔(مسلم)

## حضرت داؤدؑ کی سنت

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کو حضرت داؤدؑ کی نماز اور ان کے روزے بہت پسند تھے وہ آدھی رات کو سوتے تھے اور تہائی رات میں عبادت کرتے تھے اور چھٹے حصہ میں پھر سوجاتے تھے اور ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن ناغہ کرتے تھے۔(بخاری، مسلم)

## رات میں قبولیت کی گھڑی

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رات میں ایک ساعت ایسی ہے کہ جو شخص اس ساعت میں دنیا و آخرت کی جن بھلائیوں کا سوال کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے گا اور اس کی منہ مانگی مراد عطا فرمائے گا اور یہ ساعت ہر رات میں ہوتی ہے۔(مسلم)

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

# ہرگز مشتعل نہ ہوں!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنے رفقاء کے ساتھ مدینہ ہجرت فرمائی تو وہاں دو طبقوں سے مسلمان نبرد آزما تھے، ایک یہود، دوسرے منافقین، یہودیوں کی مسلمانوں سے مخالفت اعلانیہ تھی، اور منافقین بغلی دشمن تھے، عبداللہ بن ابی ان کا سردار تھا، ابتداء اس شخص کا نفاق انصار پر ظاہر نہیں تھا اور وہ اس کو مخلص مسلمان باور کرتے تھے، مدینہ میں اس شخص کو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے ایک خصوصی مقام حاصل تھا، بلکہ اہل مدینہ اس کو اپنا بادشاہ بنانا چاہتے تھے، مگر اسلام کے بعد عبداللہ بن ابی کا خواب پورا نہ ہوسکا، غالباً اس لئے بھی عبداللہ بن ابی کے سینہ میں اسلام اور اہل اسلام کے خلاف آتش غضب سلگتی رہتی تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفقاء ''مہاجرین اور انصار'' کے ساتھ ایک مہم پر نکلے، اس میں عبداللہ بن ابی بھی شامل تھا، ایک مقام پر پڑاؤ کیا گیا، اور پانی لینے کے مسئلہ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام اور انصاری صحابہ رضی اللہ عنہ کے درمیان کچھ تکرار ہوگئی، بات آگے بڑھی، غلام نے مہاجرین کو اپنی مدد کے لئے آواز دی اور انصاری نے انصار کو پکارا اور یہ معمولی سا جھگڑا دو شخص کا نہ رہا، بلکہ دو جماعتوں۔ انصار و مہاجرین۔ کا اختلاف بن گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہی کی فہمائش کی اور بظاہر ایسا محسوس ہوتا تھا کہ معاملہ رفع دفع ہوگیا، لیکن عبداللہ بن ابی ایسے مواقع کی تاک میں رہتا تھا، اس نے اس کو مہاجرین و انصار کے درمیان گروپ بندی کا ذریعہ بنانے کی کوشش کی اور انصار کو عار دلائی کہ یہ نوبت اسی لئے آئی کہ تم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور مکہ سے آنے والے ان کے ساتھیوں کی مدد کی، مہاجرین کے ساتھ ہماری مثال عربی زبان کے اس محاورہ کی ہے کہ اپنے کتے کو کھلا پلا کر موٹا کرو، تا کہ وہ تمہیں کو کھا جائے ''سمن کلبك یأکلك'' پھر یہ بھی کہا کہ اب مدینہ پہنچ کر جو عزت دار لوگ ہیں، وہ ذلیل لوگوں کو نکال باہر کریں۔

عبداللہ ابن ابی نے یہ بات چند انصار کے درمیان کہی، ایک کم عمر انصاری صحابی حضرت زید ابن خالد جہنی رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے سر کے کانوں سے یہ بات سنی اور جذبۂ ایمان کے تحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح صورت حال عرض کردی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر جوشِ حق کا غلبہ رہتا تھا، اور باطل ان کو ذرا بھی برداشت نہیں تھا، انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ اس منافق شخص کا سر قلم کرنے کی اجازت مرحمت فرمائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اگر ایسا کیا گیا تو لوگ خیال کریں گے کہ اب محمد اپنے ساتھیوں کو بھی قتل کرا رہے ہیں۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے براہ راست عبداللہ ابن ابی سے واقعہ کی تحقیق کی، اس نے انکار کیا کہ میں نے ایسی بات نہیں کہی، انصار میں سے اکابر اور سربرآوردہ حضرات نے بھی اپنی ناواقفیت کی وجہ سے عبداللہ ابن ابی کی تصدیق کی اور کہا کہ زید بچے ہیں، ان کی بات کا کیا اعتبار ہے؟ مگر خود وحی الٰہی سے حضرت زید کی تصدیق ہوئی، بہرحال اس ناخوشگوار واقعہ کا چرچا پورے قافلہ میں ہوگیا اور بعض بھولے بھالے مسلمانوں کا ذہن ایک حد تک اس سے متاثر بھی ہوا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر کچھ زیادہ گفتگو نہیں فرمائی اور قافلہ کو کوچ کرنے کا حکم فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عام

معمول یہ تھا کہ صبح میں سفر شروع کرتے تو شام میں کہیں پڑاؤ کرتے اور شام میں سفر کا آغاز فرماتے تو صبح کے قریب کہیں منزل فرماتے، لیکن خلاف معمول آپ صلی اللہ علیہ وسلم پورے دن اور پھر اس رات مسلسل چلتے رہے اور اگلے دن دوپہر کے وقت ایک جگہ خیمہ زن ہوئے، چلچلاتی ہوئی دھوپ، گرم ریت، بھوک و پیاس اور مسلسل سفر نے لوگوں کو تھکا کر رکھ دیا اور جو وقتی ناخوشگواری پیدا ہوگئی تھی، اس کا اثر بھی جاتا رہا، اور اصل یہی مصلحت تھی جس کے پیش نظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سفر کو غیر معمولی طول دیا، تاکہ لوگ اس تلخی کو بھول جائیں۔

پھر ایک عرصہ کے بعد جب عبداللہ ابن ابی کا نفاق لوگوں کے سامنے کھل کر آ گیا، حضراتِ انصار کو بھی اس کا خوب اندازہ ہوگیا، تو عبداللہ ابن ابی کے صاحبزادے...... جو مخلص مسلمان تھے...... اور ان کا نام بھی عبداللہ ہی تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ معلوم ہوا ہے کہ آپ میرے والد کو قتل کرانے والے ہیں، اور واقعتاً وہ اپنے نفاق کی وجہ سے اسی لائق ہیں، لیکن مجھے اپنے والد سے بڑی محبت ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ شاید میں ان کے قاتل کو نہ دیکھ سکوں! اگر واقعی ایسا ہی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے حکم فرمایئے کہ میں خود اپنے والد کا سر قلم کرکے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کردوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلاکر صورتِ حال بتائی کہ اگر میں نے اس وقت قتل کا حکم دیا ہوتا تو بہت سے بدگمان ہوسکتے تھے، اور آج صورت حال یہ ہے کہ خود یہ لوگ اس کے نفاق اور درپردہ عداوت سے پوری طرح واقف ہوچکے ہیں، اور خود ان کا لڑکا اس کے قتل کے لئے تیار ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دوراندیشی اور معاملہ فہمی سے بہت متاثر ہوئے اور بے ساختہ کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے میں برکت رکھی ہے۔

**"بارك الله فی رأی رسوله۔"**

یہ ایک مثال ہے حسن تدبیر اور جذبات پر عقل وفراست کو غالب رکھنے کی! اسی کو قرآن مجید نے ''صبر'' سے تعبیر کیا ہے، صبر کے معنی بزدلی اور پسپائی کے نہیں ہیں، بلکہ صبر سے مراد حسن تدبیر اور کسی اقدام کے لئے صحیح موقع ومحل کا انتخاب کرنے کے ہیں، صبر یہ ہے کہ آدمی اشتعال انگیز مواقع پر بھی اپنے آپ کو مشتعل اور بے برداشت ہونے سے بچائے، اس لئے کہ اشتعال اور غیظ وغضب کی حالت میں انسان کی قوتِ فیصلہ کم یا ختم ہوجاتی ہے، اور فراست ودانش مندی کا دامن اس کے ہاتھوں سے چھوٹنے لگتا ہے، اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غصہ کی حالت میں کسی مقدمہ کا فیصلہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ **"لا یقضی القاضی و ھو غضبان"** کیونکہ غصہ کی حالت میں آدمی معاملہ کی نوعیت کو سمجھنے اور اس کے بارے میں مناسب رائے قائم کرنے سے قاصر رہتا ہے، جیسے انفرادی اور شخصی معاملات میں یہ ضروری ہے کہ آدمی سنجیدہ حالت میں اہم فیصلے کرے، اسی طرح بلکہ اس سے بڑھ کر یہ ضروری ہے کہ قومی اور اجتماعی مسائل میں ہم اشتعال اور غضب کی کیفیت میں کوئی فیصلہ کرنے اور قدم اٹھانے سے باز رہیں، ورنہ اس کا نقصان سنگین بھی ہوگا، دوررس بھی اور وسیع بھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری حیاتِ طیبہ اس طرزِ عمل کی کھلی ہوئی مثال ہے، جنگ کی حالت ہو یا صلح کی، ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش تدبیری کو وقتی جذبات پر غالب رکھا، صلح حدیبیہ ہی کو دیکھئے، بظاہر صلح الف سے ے تک مسلمانوں کی امنگوں کے خلاف تھی، صلح نامہ لکھتے ہوئے ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' لکھا گیا، اہل مکہ کے نمائندہ نے اسے قبول نہیں کیا اور کہا کہ زمانہ جاہلیت کے طریقہ پر **"باسمك اللھم"** لکھنا پڑے گا، اسے قبول کرلیا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی ''محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' لکھا گیا، دوسرے فریق نے ''رسول اللہ'' کے لفظ کو کاٹنے پر اصرار کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر بھی تیار ہوگئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے برداشت نہ ہوسکا، اور وہ کلمۂ حق کو اپنے ہاتھوں سے مٹانے کے لئے تیار نہ ہوئے تو

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے خود محو فرما دیا۔
پھر یہ بات طے پائی کہ مکہ سے جو مسلمان ہوکر مدینہ جائے اسے واپس کردیا جائے، اور مدینہ سے جو مرتد ہوکر مکہ آئے، اسے واپس نہ کیا جائے، یہ بالکل امتیاز پر مبنی دفعہ تھی، یہ بھی طے پایا کہ مسلمان اس سال واپس چلے جائیں، آئندہ سال آئیں اور صرف تین دنوں تک قیام کریں، نیز نیام میں رکھی ہوئی تلوار کے سوا کوئی ہتھیار ساتھ نہ رکھیں۔ یہ ساری باتیں عربوں کی روایات کے سراسر خلاف تھیں، حرم میں کبھی بھی اور کسی کو بھی آنے کی عام اجازت تھی، اپنے تحفظ کے لئے ہتھیار رکھنا یہ بھی عربوں میں ایک روایتی حق سمجھا جاتا تھا، اور مسلمانوں کے لئے یہ اس لئے بھی ضروری تھا کہ وہ اپنے اعلانیہ دشمنوں کے درمیان جارہے تھے، لیکن ان غیر منصفانہ شرطوں کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور فرمایا، اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ صلح بہت ناگوار خاطر تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے تو برداشت نہ ہوسکا اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرط جذبات میں کچھ ایسے سوالات کرلئے کہ ہمیشہ اس پر پشیمان رہتے تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام کھولا اور اپنے رفقاء کو اس کی تلقین کی تو راویوں کا بیان ہے کہ لوگ اس طرح ایک دوسرے کے بال مونڈ رہے تھے کہ گویا سر کاٹ ڈالیں گے۔
لیکن قرآن نے اسی صلح کو جو بظاہر ذلت آمیز تھی "فتح مبین" قرار دیا، (فتح-1) دراصل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر یہ مصلحت تھی کہ مسلمان اہل مکہ سے مسلسل جنگ کی حالت میں ہیں، ہر صبح وشام خوف کی کیفیت سے گزر رہے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اہل مکہ کو معتدل فضاء میں اسلام اور اہل اسلام کو دیکھنے کا موقع نہیں مل پایا ہے، غلط فہمیوں کی دیواریں کھڑی ہیں، پھر اس خوف و دہشت کی فضاء میں کھل کر دعوت اسلام کا کام بھی نہیں ہوسکتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات پر پورا اعتماد تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے اندر جو کشش رکھی ہے وہ بڑے سے بڑے دشمن کو بھی زیر کرے گی، اور جن لوگوں کو میدانِ جنگ میں فتح نہیں کیا جاسکتا ہے، اسلام کی روحانی تعلیمات ان کے قلوب واذہان کو فتح کرنے میں کامیاب ہوجائیں گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ صلح حدیبیہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفقاء کم وبیش چودہ سو تھے، اس واقعہ کے صرف دو سال بعد مکہ فتح ہوا تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دس ہزار رفقاء عالی مقام مکہ میں داخل ہوئے، اور فتح مکہ کے دو سال بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج فرمایا تو مسلمانوں کی تعداد ایک لاکھ سے متجاوز ہوچکی تھی، غرض آغاز نبوت سے صلح حدیبیہ تک انیس سال کے عرصہ میں مسلمانوں کی تعداد چودہ سو سے کچھ زیادہ تھی اور اگلے چار سال میں ان کی تعداد یقیناً سوا ڈیڑھ لاکھ تک پہنچ گئی، جن میں سوا لاکھ کے قریب تو خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج میں شریک تھے، یہ اسی صبر کا کرشمہ ہے اور یہی وہ فتح مبین ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے خوشخبری دی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل مسلمانوں کے لئے اسوہ ہے کہ جب مسلمان مشکل حالت سے گزر رہے ہوں، وہ سیاسی اور افرادی مغلوبیت سے دوچار ہوں تو اس وقت خصوصاً، اور ہر حال میں عموماً سماجی اور ملکی فضاء کو معتدل رکھنے کی کوشش کریں، جذبات پر عقل کو، تمناؤں اور آرزوؤں پر حقیقت پسندی کو، اشتعال اور نقصان دہ غیظ وغضب پر صبر اور خوش تدبیری اور مناسب موقع ومحل کے انتظار کو ترجیح دیں، ہر قدم پھونک کر اٹھائیں، ایسا ردعمل ظاہر نہ کریں جو خودکشی کے مترادف ہو، اور جس سے قومی اور اجتماعی نقصان ہو، جس سے تعمیر کے کام میں رکاوٹ پیدا ہوجائے اور ہماری ترقی معکوس ہوجائے، یاد رکھئے! ہندوستان کے موجودہ حالات میں فرقہ پرست عناصر کوشاں ہیں کہ مسلمانوں کو بے برداشت کردیا جائے، وہ سڑک پر نکل آئیں، تاکہ ظلم وزیادتی کا جواز پیدا ہوجائے اور مسلمانوں کو ایک شدت پسند گروہ کی حیثیت سے پیش کیا جائے، ان حالات میں ہمارا مشتعل اور بے برداشت ہوجانا فرقہ پرستوں کی بڑی کامیابی، اور حسن تدبیر کے ساتھ ایسی سازشوں کا مقابلہ کرنا فرقہ پرستوں اور ملک دشمنوں کی سب سے بڑی شکست ہے، یہ بظاہر ہزیمت ہے اور حقیقت میں فتح مبین ہے۔ ○○

دوسری اور آخری قسط

محمد شاہد خان ندوی

## حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ

# یادوں کے جھروکے سے

اخلاقی اور نفسیاتی تربیت کے علاوہ حضرت مولانا طلبہ کو ایک تلخ حقیقت سے بھی روشناس کرواتے تھے، ایک کامیاب اور دردمند مربی کے بطور وہ اپنی علمی ذمہ داری سمجھتے تھے کہ طلبۂ مدارس کو صرف خوابوں کی دنیا میں رکھنا ٹھیک نہیں ہے اور طلبہ کے لئے مدرسہ کے احاطہ میں طالب علمانہ زندگی گزارتے ہوئے محض اپنی اہمیت کا زعم لئے پھرنا کافی نہیں ہے، کیونکہ انہیں جس بے درد اور گردن کشی پر آمادہ ماحول کی حقیقت سے اصل معرکۂ حیات میں روبرو ہونا ہے، اس کے لئے ان کو یہ جاننا ضروری ہے کہ آج کی دنیا کن سخت اصولوں کے مطابق کامیابی کا پیمانہ طے کرتی ہے، لہٰذا وہ دوران خطابت صاف لفظوں میں یہ بتاتے تھے کہ اخلاق اور اختصاص کے بغیر کوئی کامیابی ممکن نہیں ہے، وہ بہت زور دے کر فرماتے کہ اگر آپ میں اخلاص اور اختصاص جمع ہوجائیں تو میں اس بات کی ضمانت لیتا ہوں کہ آپ کی ناقدری نہیں ہوگی، اگر آپ کہیں دور دراز جنگلوں یا پہاڑوں میں مقیم ہوں گے تب بھی لوگ آپ کی تلاش میں وہاں پہنچ جائیں گے، آپ کے قدموں میں اپنی دستار رکھیں گے اور آپ کو ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔

علم حیاتیات کا ماہر اور مغربی دنیا کا مشہور سائنس داں چارلس ڈارون کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے، سائنس کی دنیا میں وہ اپنے نظریۂ ارتقاء کے لئے خاص طور سے جانا جاتا ہے، نظریۂ ارتقاء کی وضاحت کرتے ہوئے اس نے بقاء اصلح یا (سروائیول آف دی فیٹسٹ) کا تصور پیش کیا تھا۔ حضرت مولانا رحمہ اللہ چونکہ فلسفیانہ موشگافیوں سے واقف تھے اور جانتے تھے کہ یہ نظریہ دراصل اللہ کی صفت خالقیت پر ضرب لگا کر انسانی بستی کا رشتہ ہمیشہ کے لئے خدا سے کاٹنا چاہتا ہے، لہٰذا وہ اس فلسفہ کی تفصیل میں نوخیز طلبہ کے ذہن کو الجھائے بغیر انہیں حصول علم میں یکسوئی برتنے اور علم کی راہ میں اپنا سب کچھ قربان کرنے پر آمادہ کرتے اور انہیں یہ باور کراتے کہ آپ بقاء اصلح کے اصول کے بجائے بقاء انفع کے اصول کو پیش نظر رکھئے اور محنت ولگن کے ساتھ اپنے مقصد کے حصول میں لگ جایئے کیونکہ اگر آپ نے انسانی سماج کے لئے اپنی نافعیت ثابت کردی تو آپ کبھی بے قیمت نہیں رہیں گے۔ مقصد کا تعین ضرور کیجئے تاکہ سمت سفر معلوم ہو اور منزل واضح، مولانا تعلیم میں یکسوئی اور انہماک کی اہمیت پر زور دینے کے لئے شیخ یحییٰ منیری رحمہ اللہ کی مثال اکثر پیش فرماتے کہ جب وہ تعلیم کے حصول کے لئے وطن مالوف سے دور تشریف لے گئے تو جب بھی ان کے لئے کوئی خط آتا، وہ اسے اٹھا کر ایک باکس میں ڈال دیا کرتے تھے، جب ان کی تعلیم مکمل ہوگئی تب انہوں نے ان خطوط کو نکالا اور پڑھنا شروع کیا تو معلوم ہوا کہ فلاں عزیز کی شادی ہوگئی اور فلاں بیمار تھا وغیرہ وغیرہ، وہ امید کرتے تھے کہ دینی علوم کے طلبہ میں علم کے تئیں ایسا لگاؤ ہی دراصل کامیابی کا ضامن ہے، حضرت مولانا یہ بھی کہتے کہ جب اپنا سب کچھ آپ علم کی راہ میں قربان کردیں گے تب کہیں علم آپ کو اپنا تھوڑا سا حصہ عطا کرے گا کیونکہ علم بہت غیور واقع ہوا ہے۔

وہ طلبہ کو ملت کا قیمتی سرمایہ سمجھتے تھے، جن کو سنوارے بغیر ملت کی سربلندی کا خواب پورا نہیں ہوسکتا تھا۔ وہ ہر پہلو سے

طلبہ کی تربیت کا خاص خیال رکھتے تھے تاکہ ان کی خوابیدہ صلاحیتوں کو پروان چڑھایا جاسکے، وہ نرے مولوی ہرگز نہ تھے، بلکہ وہ ماضی کی تاریخ اور حال و مستقبل کی غیر معمولی تبدیلیوں سے پوری طرح باخبر تھے۔ ۱۹۸۷ء کی بات ہے، ندوہ کے کچھ طلبہ نے سالانہ پروگرام کے لئے ایک تمثیلی ڈرامہ پروگرام رچا اور اس کی ریہرسل شروع کردی، کچھ ذمہ دار اساتذہ کو اس پروگرام کی خبر ہوگئی اور یوں سمجھئے کہ پروگرام تقریباً کینسل تھا کہ ایک طالب علم نے ہمت کرکے حضرت مولانا سے اجازت طلب کی کہ وہ ایک بار اس پروگرام کی دس منٹ کی ریکارڈنگ سماعت فرمالیں اس کے بعد وہ جو فیصلہ کریں گے، طلبہ کو منظور ہوگا، چنانچہ جب حضرت مولانا نے وہ ریکارڈنگ سنی تو اپنی حیرت و مسرت کا اظہار کیا اور فرمایا کہ کیا ہمارے طلبہ اس طرح کا پروگرام بھی کرسکتے ہیں، میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا اور مولانا محمود الاظہار صاحب مرحوم اور مولانا نور عظیم مرحوم کو اس پروگرام کی نگرانی (Supervision) پر متعین فرمایا۔

تعلیم و تربیت، للّٰہیت و خداترسی، تقویٰ و پرہیزگاری کی حضرت مولانا مسلسل تلقین فرماتے اور ان کی ذاتی زندگی خود بھی اس کا عملی نمونہ تھی۔ مولانا کی تعلیم و تربیت میں ان کی والدہ ماجدہ خیر النساء اور بڑے بھائی ڈاکٹر عبد العلی صاحب کا بڑا ہاتھ تھا اور مولانا ان کی تربیت کے اسلوب کو اکثر طلباء کے سامنے بیان فرماتے تاکہ وہ بھی اپنی زندگی میں ان طریقوں سے مستفید ہوسکیں۔

بچپن ہی میں مولانا کے سر سے والد ماجد ڈاکٹر عبد الحی حسنی صاحب کا سایہ اٹھ گیا تھا اور تعلیم و تربیت کی پوری ذمہ داری ان کے بڑے بھائی کے سر آپڑی تھی، مولانا کی طبیعت بڑی خوددار واقع ہوئی تھی، ذاتی اخراجات کے لئے بھائی صاحب سے کچھ لینے کی ہمت نہیں کرپاتے تھے، البتہ ڈاکٹر عبد العلی صاحب خود ہی ان کی ضروریات محسوس کرلیا کرتے اور ان کی ضروریات کی تکمیل میں کوتاہی نہیں کرتے تھے، مولانا نے خود ایک بار مجلس میں بیان فرمایا کہ ایک دفعہ ان کے پاس جیب خرچ کے لئے پیسے نہیں تھے، سوچنے لگے کہ آخر کیسے انتظام کیا جائے؟ اس زمانہ میں ان کے ہاتھ میں گھڑی ہوتی تھی، مولانا نے ارادہ کیا کہ اسی کو فروخت کردیا جائے، امین آباد میں مرکز والی مسجد کے سامنے کوئی گھڑی ساز بیٹھا کرتے تھے، مولانا نے سوچا کہ وہ گھڑی وہیں فروخت کردیں جس سے کچھ جیب خرچ نکل آئے گا، لیکن دل میں یہ خیال آیا کہ کہیں وہ گھڑی ساز یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ ہو نہ ہو یہ لڑکا گھڑی چوری کرکے تو نہیں لایا ہے، اس الزام کا خیال آتے ہی مولانا نے گھڑی بیچنے کا ارادہ ترک کردیا۔

ابتدائی ایام میں مولانا نے کافی مالی تنگی کا سامنا کیا ہے، ایک دن مجلس میں عرض کرنے لگے کہ میں صبح دار العلوم میں گھنٹہ پڑھا کر آیا، ناشتہ کا وقت تھا، بڑی بھوک لگی ہوئی تھی اور جیب میں ایک پیسہ بھی نہیں تھا، میں اسی فکر میں کھویا ہوا تھا کہ اچانک دو طالب علم میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ہم نے سوچا کہ کیوں نا آج کا ناشتہ مولانا علی میاں کے ساتھ کیا جائے، میری ذاتی سمجھ یہ ہے کہ مولانا اس قسم کی باتیں طلبہ کے درمیان اس غرض سے بیان کرتے تھے تاکہ غربت و مفلسی ان کی ہمت کو کمزور نہ کردے اور نتیجتاً علم سے دور ہوکر تلاش معاش میں لگ جائیں، وہ بتانا چاہتے تھے کہ اگر ان تمام مشقتوں کے باوجود آپ علم کی راہ میں انہماک اور ایثار سے کام لیں گے تو تابناک مستقبل آپ کے انتظار میں ہاتھ پھیلائے کھڑا ہے۔

مولانا استاد بن چکے تھے، لیکن تنگ دستی اب بھی دامن گیر تھی، مولانا کی تنگ دستی اس وقت سے دور ہونا شروع ہوئی جب انہوں نے علی گڑھ کے ایک سیرت نویسی کے انعامی مقابلہ میں چھ سو روپئے کا پہلا انعام حاصل کیا، رفتہ رفتہ تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا اور کتابوں کی رائلٹی سے مولانا فارغ البال ہونے لگے، لیکن چونکہ طبیعت میں دنیا طلبی دور آغاز سے ہی نہیں تھی اس لئے کبھی دنیا

کمانے کے پیچھے نہیں پڑے حالانکہ دنیا ان کے قدموں میں پڑی تھی، ندوہ میں مہمان خانے کے داہنے طرف ایک حجرہ ہی مولانا کا مستقر رہا، مولانا نذرالحفیظ صاحب نے بیان فرمایا کہ مولانا ندوۃ العلماء کے ناظم ہونے کے باوجود ندوہ سے ایک پیسہ بھی بطور تنخواہ نہیں لیتے تھے، یہاں تک کہ مولانا مہمان خانہ کا کرایہ بھی اپنی جیب سے ادا کرتے، کھانے پینے کے سارے انتظامات اپنی ذاتی آمدنی سے کرتے تھے اور مولانا کی ذاتی آمدنی کا ذریعہ ان کی کتابوں سے حاصل ہونے والی رائلٹی کی رقم تھی، ایک کار تھی جس سے مولانا سفر کیا کرتے تھے، لیکن اس کے پٹرول اور مینٹیننس کا خرچ بھی ندوہ سے لینے کے بجائے اپنی جیب خاص سے ادا کیا کرتے تھے۔

عظمت کی اس بلندی پر انسان یونہی نہیں پہنچ جاتا، بلکہ اس کے لئے بڑے پختہ کردار کی ضرورت ہوتی ہے اور جب کردار میں بلندی پیدا ہوتی ہے تبھی ماحول پر اس کے مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں، حضرت مولانا علی میاں صاحب حقیقی معنوں میں اس مثالی کردار کے حامل تھے جو عظمت وتوقیر کا اہم ذریعہ ہوتا ہے، مولانا کو ان کی علمی خدمات کے اعتراف کے لئے مختلف قسم کے انعامات دنیا کے الگ الگ حصوں میں ملے، ان انعامات میں سے ایک اہم ترین انعام شاہ فیصل ایوارڈ ہے، ایک خطیر رقم بھی اس انعام کا حصہ تھی، دنیا سے بے نیازی کا عالم دیکھئے کہ انہوں نے اس میں سے کچھ بھی اپنی ذات پر خرچ نہیں کیا، بلکہ پوری رقم دین کی راہ میں کوشاں رہنے والوں اور دیگر رفاہی کاموں پر خرچ کردی، اسی طرح دبئی حکومت نے بھی "القرآن ایوارڈ" سے آپ کو نوازا، لیکن مولانا نے اس انعام کی رقم کو بھی ذاتی استعمال میں نہ لاکر رفاہی کاموں کی نذر کردیا، مولانا کی زندگی کے یہ واقعات جہاں ان کے زہد وتقویٰ، اخلاص وللّٰہیت اور بے نفسی کی کہانی بیان کرتے ہیں وہیں طلبہ کی شخصیت سازی میں بہت مؤثر کردار ادا کرتے تھے۔

فضیلت کے آخری درجات کے طلباء مولانا سے خصوصی شرف تلمذ حاصل کرنے کی خاطر دو ہفتے کے لئے مولانا کے وطن تکیہ رائے بریلی جایا کرتے تھے جہاں مولانا دو ہفتوں تک طلبہ پر خصوصی توجہ فرماتے اور دروس کا سلسلہ چلتا، انہی ایام میں ایک دن طلبہ کی دعوت کا اہتمام بھی کرتے، خوش قسمتی سے ہمیں بھی رائے بریلی جانا نصیب ہوا اور مولانا نے حسب معمول ہماری دعوت کا بھی انتظام فرمایا، وہ اتنی عظیم ہستی تھی کہ وہ ہمیں جو بھی کھلاتے اور جس طرح کھلاتے وہ ہم طلبہ کے لئے کسی اعزاز واکرام سے کم نہیں ہوتا، مولانا نے ہم سب کے واسطے پائے کا نظم فرمایا اور تندوری روٹی پکوائی، جب دسترخوان پر کھانا چن دیا گیا اور مولانا سمیت سبھی طلبہ دسترخوان پر بیٹھ گئے تو کھانا شروع کرنے سے قبل مولانا نے ایک ایسا تاریخی جملہ ارشاد فرمایا جو میرے حافظہ میں ہمیشہ کے لئے نقش ہوگیا، مولانا نے دسترخوان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ لوگ غض بصر سے کام لیجئے گا، یعنی اگر کھانے میں کچھ کمی وکوتاہی رہ گئی ہو تو آپ لوگ نظرانداز کیجئے گا، ذرا غور کیجئے کہ یہ بات کون شخص کہہ رہا ہے؟ ایک ایسی شخصیت جس نے مشرق ومغرب کے میخانے دیکھے تھے، نہ جانے کتنے شاہی دسترخوانوں کو زینت بخشی ہوگی۔ لیکن ذاتی زندگی میں ایسی بلا کی سادگی اور تواضع کہ ہر حساس شخص کے لئے ایک دائمی درس عبرت سے کچھ کم نہیں۔ وہ درس جو تکیہ شاہ علم اللہ کے احاطہ میں حضرت مولانا کی نگرانی میں حاصل ہوا وہ آج بھی میری ذاتی زندگی کا بیش بہا سرمایہ ہے۔

حضرت مولانا ایک مکمل اسلامی نظام زندگی کے قائل تھے، ان کی شدید خواہش تھی کہ طلبہ کے اندر صحیح اسلامی اسپرٹ پیدا ہو وہ اپنی زندگی پوری کی پوری اسلامی تشخص کے ساتھ گزاریں، اساتذہ کی عزت کریں، نمازوں کا اہتمام کریں، عصری تعلیم کے ساتھ اسلامی علوم میں اصالت پیدا کریں، دنیا کے کسی بھی گوشے میں جائیں تو داعیانہ

صفات کے ساتھ جائیں، اپنے علم اور اپنے کردار کی بنیاد پر پہچانے جائیں، حضرت مولانا طلبہ کے سامنے اکثر اپنے ان خیالات کا اظہار فرماتے، مولانا علم دوست انسان تھے اس لئے علماء کی بڑی قدر کیا کرتے تھے، ہند اور بیرون ہند کے نامور علماء اور اسلامی اسکالرس سے مولانا کے روابط تھے، مولانا ان کے مقام ومرتبہ کے مطابق ان کا احترام کرتے اور ان کا تذکرہ فرماتے، مولانا مودودی رحمہ اللہ کا تذکرہ بڑی عزت سے فرماتے اور مغربی تہذیب کے حوالے سے ان کے کارناموں کو سراہتے، خود مولانا اپنی شہرہ آفاق کتاب ''انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر'' کا تذکرہ کرتے ہوئے اس بات کا کھلے دل سے اعتراف فرماتے کہ ایک دفعہ انہوں نے مولانا مودودی رحمۃ اللہ سے پوچھا کہ جب دنیا کی باگ ڈور مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئی تو دنیا کو اس سے کیا نقصان پہنچا؟ تو مولانا مودودی رحمہ اللہ نے جواب دیا کہ دنیا شتر بے مہار ہوگئی، اس کے بعد حضرت مولانا نے اس کو اپنے غور وفکر کا موضوع بنایا اور وہ شہرہ آفاق کتاب تصنیف کی جو بعد میں ایک طرح سے ان کا وزیٹنگ کارڈ بن گئی۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے شیدائی اور مداح تھے اور ہر مسلمان میں اقبال کا ''مرد مومن'' تلاش کرتے تھے، مولانا کو اس بات کا بڑا قلق تھا کہ عالم عربی رابندر ناتھ ٹیگور سے تو واقف ہے، لیکن وہ اتنے بڑے مفکر اور اسلامی شاعر سے ناواقف ہے، چنانچہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے عربی میں ''روائع اقبال'' نامی کتاب لکھی جو اردو میں ''نقوش اقبال'' کے نام سے مشہور ہوئی اس طرح سے مولانا نے علامہ اقبال سے عالم عربی کو روشناس کرایا۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ علماء ومشائخ کا تذکرہ بڑے والہانہ انداز میں کرتے اور ان کی دینی غیرت وحمیت اور خدمات کو سراہتے، کسی تاتاری بادشاہ کا واقعہ اکثر بیان فرماتے کہ ایک دفعہ اس نے ایک مسلمان عالم دین کو اپنے دربار میں بلاکر پوچھا کہ تم اچھے یا میرا کتا اچھا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ اگر میں دین اسلام پر مرا تو میں اچھا اور اگر میں کفر پر مرا تو یہ کتا اچھا، اس واقعہ سے وہ بہت متاثر ہوا اور پھر آگے چل کر اس نے اپنی پوری قوم کے ساتھ اسلام قبول کرلیا۔ (اس واقعہ کی تفصیل مولانا کی کتاب ''تاریخ دعوت وعزیمت'' میں ملاحظہ فرمائیں)

حضرت مولانا اپنی مجلسوں میں اکثر مولانا احمد علی لاہوریؒ اور شیخ عبدالقادر رائے پوریؒ کا تذکرہ فرماتے اور ان سے اپنی گہری وابستگی کا اظہار فرماتے، ہمارے زمانہ میں مشائخ میں مولانا شاہ ابرارالحق صاحب رحمہ اللہ، قاری صدیق احمد صاحب باندوی رحمۃ اللہ اور اکابر علماء دیوبند و مظاہر العلوم برابر ندوہ تشریف لاتے اور حضرت مولانا طلبہ کو برابر ان سے استفادہ کی ترغیب دیتے، عالم عربی کے چوٹی کے علماء وادباء سے مولانا کے مراسم تھے، ان سے مسلسل خط وکتابت رہتی، عالم عربی کے علمی وادبی حلقوں میں مولانا کا نام بڑے احترام سے لیا جاتا اور مولانا کی کتابیں حوالہ کے طور پر استعمال کی جاتیں، مولانا کے مزاج میں اعتدال پسندی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، ہم نے کبھی بھی کسی بھی فروعی مسئلہ میں مولانا کو گفتگو کرتے ہوئے نہیں سنا، یہاں تک کہ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ بعض معروف اور متنازعہ فقہی مسائل میں اکثریت کو مولانا کے موقف کا علم نہیں تھا، یہی وجہ ہے کہ مسلم جماعتوں اور تنظیموں کے لوگ برابر مولانا کے پاس آتے، ان سے مشورے لیتے اور انہیں اپنے پروگراموں میں مدعو کرتے، تبلیغی جماعت، جماعت اسلامی، جماعت اہلحدیث اور جمعیۃ العلماء کے ذمہ دار حضرات برابر مولانا سے ملنے ندوہ تشریف لاتے، اہلحدیث علماء میں مولانا مختار احمد ندوی، مولانا عبدالرؤف جھنڈانگری اور مولانا مقتدی حسن ازہری رحمہم اللہ برابر ندوہ تشریف لاتے، مجھے اچھی طرح یاد ہے ایک دفعہ مولانا مختار احمد ندوی صاحب

سابق امیر جمعیت اہلحدیث ہند نے جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں میں اپنے ایک خطاب میں ندوہ اور دیوبند کے سلسلے میں کچھ نامناسب بیان دے دیا تھا جو وہاں کے ترجمان "صوت الحق" میں شائع بھی ہوگیا تھا اس بیان کو لے کر ندوہ میں کافی ہنگامہ برپا تھا، مولانا مرتضی صاحب مرحوم تو اس بیان سے کافی ناراض تھے اتفاق سے اس کے چند ہی دنوں کے بعد ندوہ میں مجلس شوریٰ کی میٹنگ ہونی تھی جس میں شرکت کے لئے مولانا مختار احمد ندوی صاحب مرحوم کو بھی آنا تھا، بہرحال وقت مقررہ پر جب وہ تشریف لائے تو حضرت مولانا علی میاں صاحب نے ان سے اس سلسلہ میں ایک لفظ بھی نہیں کہا، ان کی یہی ادا تھی جو نظریاتی اختلاف کے باوجود ساری جماعتوں کو ایک لڑی میں پروئے ہوئی تھی، مولانا کا مزاج ندویت کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا، وہ نزاعی امور میں کریدنے کے بجائے متفقہ امور پر زور دینے کے قائل تھے، یہاں تک کہ معروف شیعہ عالم دین ولانا کلب صادق صاحب برابر مولانا ے ملنے ندوہ تشریف لاتے وہ مسلم پرسنل ورڈ کے نائب صدر بھی تھے اس لئے اح ومشورہ کے لئے اکثر دونوں میں تگو ہوتی، انہیں دونوں کی قائدانہ رت کی وجہ سے لکھنؤ میں شیعہ سنی فساد پر کنٹرول ہوگیا تھا، جب بھی کوئی بڑا عالم دین ندوہ تشریف لاتا تو مولانا اس کے مقام ومرتبہ کے اعتبار سے اپنے پاس جگہ دیتے اور اسی کے مطابق اس کی توقیر فرماتے، اکثر لوگ جب مولانا کو ندوہ میں نہیں پاتے تو شوق ملاقات میں کشاں کشاں تکیہ رائے بریلی پہنچ جاتے، یہ مولانا سے ان لوگوں کی بے انتہا محبت کی دلیل تھی۔

مولانا کے مزاج میں درویشی تھی، وہ تصوف بمعنی احسان کے قائل تھے، کچھ لوگوں نے تصوف کو موضوع بنا کر جب مولانا پر تنقید کی تو مولانا نے "ربانیۃ لا رہبانیۃ" نامی بڑی معرکہ آراء کتاب لکھی اور اس کتاب میں ایک بڑا خوبصورت سا عنوان لگایا "جنایۃ المصطلحات علی الحقائق والغایات" مولانا نے بتایا کہ آپ اسے جو بھی نام دیں لیکن دین کی اصل غرض وغایت تو احسان ہی ہے، مولانا نے کبھی بھی کسی پر کھل کر تنقید نہیں کی، البتہ جب کبھی مولانا کو یہ محسوس ہوتا کہ شریعت یا فکر اسلامی کی تعبیر وتشریح کے تئیں غلط فہمی پیدا ہورہی ہے یا غلط فہمی پیدا کی جارہی ہے اور مصلحین امت ومشائخ دین وملت کی کردارکشی کی دانستہ یا نادانستہ کوشش ہورہی ہے تب مولانا اس موضوع پر مجبوراً قلم اٹھاتے اور بڑے علمی اور مثبت انداز میں اس کا جائزہ لیتے۔

مولانا مسعود عالم ندوی صاحب سے کون واقف نہیں، وہ ایک انتہائی قابل ندوی فرزند تھے اور حضرت مولانا علی میاں صاحب سے سینئر تھے، مولانا ان کی علمی صلاحیتوں کی بڑی تعریف کرتے اور اکثر تصوف کے حوالہ سے حسرت سے کہا کرتے کہ کاش مولانا مسعود عالم ندوی صاحب اس طرف بھی توجہ کرتے تو انہیں محسوس ہوتا کہ یہ بھی ایک دنیا ہے، حضرت مولانا علامہ اقبال کے ان اشعار کو اکثر گنگناتے:

دل کی دنیا دل کی دنیا، سوز ومستی جذب وشوق
تن کی دنیا تن کی دنیا، سود وسودا مکر وفن
من کی دولت ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں
تن کی دولت چھاؤں ہے آتا ہے دھن جاتا ہے دھن

مولانا دوران طالب علمی ان کے ساتھ اپنے علمی مذاکروں اور استفادہ کا بھی حوالہ دیتے، مولانا اپنے بارے میں فرماتے کہ میں ذہین طالب علم کبھی نہیں تھا، بلکہ میں ایک متوسط درجہ کا طالب علم تھا لیکن اخلاص اور امتیاز کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ مقام ومرتبہ نصیب فرمایا۔

مولانا کی شہرت ومقبولیت صرف علماء کے درمیان ہی نہیں تھی، بلکہ عرب حکام وسلاطین سے بھی مولانا کے اچھے روابط تھے، مولانا وہاں بھی اپنے داعیانہ کردار کو نبھاتے اور انہیں بعثت نبوی کے مقاصد اور مسلمانوں کے مسائل سے آگاہ فرماتے اور "الدین النصیحۃ" کے تقاضے حکمت کے ساتھ پورے کرتے، مولانا کی باتوں کو حکام بڑی توجہ سے سنتے، مولانا

طلبہ سے بھی یہ بات کہتے کہ اگر آپ کے پاس علم ہے تو بادشاہ وقت بھی آپ کی بات سنے گا اور آپ کی توقیر پر مجبور ہوگا، دراصل مولانا حکمراں طبقہ اور عوام کے درمیان ایک پل کا کام کرتے تھے، ہندوستان ایک جمہوری ملک ہے، یہاں کی اکثریت ہندو آبادی پر مشتمل ہے لیکن یہاں کے بھی بڑے بڑے سیاسی رہنما مولانا سے بغرض ملاقات تشریف لاتے، ملک کے وزراء اعظم، وزراء اعلیٰ، گورنرس اور وزراء بھی حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوتے، مولانا ان لوگوں کو ملک کی سلامتی کے تئیں درپیش خطرات کی طرف متوجہ فرماتے، ہمارے طالب علمی کے زمانہ میں جب دیوگوڑا صاحب ملک کے وزیراعظم ہوئے اور حضرت مولانا سے ملنے ندوہ تشریف لائے تو اس وقت حضرت مولانا نے ان سے براہ راست انگریزی زبان میں گفتگو کی تھی۔ اس کے دوسرے دن سارے اخبارات نے یہ سرخی لگائی تھی کہ مولانا علی میاں ندوی نے بغیر کسی مترجم کے سہارے وزیراعظم سے انگریزی زبان میں گفتگو کی، مولانا سیاسی رہنماؤں سے ملنے سے حتی الامکان گریز کرتے تھے، جب کوئی قومی یا ملی مسئلہ درپیش ہوتا تبھی ملاقات کے لئے آمادہ ہوتے، مولانا نے کبھی کسی سیاسی جماعت کے لئے ووٹ کی اپیل نہیں کی۔

1995ء کی بات ہے حضرت مولانا نے ڈاکٹر یوسف قرضاوی صاحب کو ندوہ میں مختلف موضوعات پر محاضرے کے لئے مدعو کیا تھا، عصر کے بعد ڈاکٹر یوسف قرضاوی صاحب کا کتب خانہ شبلی کے زیریں ہال میں محاضرہ ہوا، بعد نماز مغرب بھی پروگرام طے تھا، اسی درمیان معروف سیاسی رہنما رام ولاس پاسوان صاحب کو خبر ہوگئی کہ مولانا ندوہ میں تشریف رکھتے ہیں، عام طور سے سیاسی لوگ اس طرح کے مواقع کی تاک میں رہتے ہیں اور وہ اس کا سیاسی استعمال بڑی چابکدستی سے کرتے ہیں، مغرب کی نماز کا وقت ہو رہا تھا جیسے ہی پروگرام ختم ہوا اور مولانا نماز کے لئے رخصت ہوئے، رام ولاس پاسوان صاحب کانفرنس ہال میں پہنچ گئے، ان کے آنے کی اطلاع پاکر مولانا نے مغرب بعد کا پروگرام ملتوی کر دیا اور کسی بہانہ سے پروگرام ہال تشریف نہیں لائے، اس کے بعد رام ولاس پاسوان صاحب نے طلبہ کے سامنے اپنی تقریر کی اور پھر رخصت ہوگئے، مولانا کی عظمت کا سفر یہیں ختم نہیں ہوتا، بلکہ ان کا پرعزم سفر کئی جہتوں میں بڑی خوش اسلوبی سے بڑھ رہا تھا، حضرت مولانا کے غیر مسلم اسکالرس سے بھی اچھے تعلقات تھے، جب ملک کی فضا فرقہ واریت کے دھویں سے زہرآلود ہو رہی تھی، جگہ جگہ فسادات ہو رہے تھے اور مذہب کی بنیاد پر درندگی کا گھناؤنا کھیل کھیلا جا رہا تھا اس وقت مولانا نے تحریک پیام انسانیت شروع کی، مولانا پیام انسانیت کے جلسوں میں ہندو اسکالرس کو بھی مدعو کرتے تاکہ ملک میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی پیدا ہوسکے، پنڈت بشمبر ناتھ پانڈے وغیرہ کو ہمیں پیام انسانیت ہی کے جلسوں میں سننے کا موقعہ ملا۔

مولانا ایک سچے محب وطن تھے، وہ ہندوستان کی سلامتی کے لئے سیکولرزم کی حفاظت کو ضروری خیال کرتے تھے۔ تزک بابری کے حوالے سے وہ اکثر ہمایوں کے لئے کی گئی وصیت بابری کا حوالہ دیتے، وطن پرستی کے ساتھ ساتھ مولانا قومی مسائل کے لئے بہت فکرمند رہا کرتے تھے، جب ادب کے نام پر اسلامی ادباء کو نظرانداز کر کے نام نہاد ادباء کو ایوارڈ سے نوازا جاتا اور ان کی عزت افزائی کی جاتی تو مولانا بہت دکھی ہوتے اور شکوہ کناں ہو کر علامہ اقبالؒ کے ان اشعار کو بڑے جوش کے ساتھ پڑھتے کہ:

اے اہل نظر ذوق نظر خوب ہے لیکن
جو شے کی حقیقت کو نہ سمجھے وہ ہنر کیا
مقصود ہنر سوز حیات ابدی ہے
یہ ایک نفس یاد و نفس مثل شرر کیا
جس سے دل دریا میں تلاطم نہیں ہوتا
اے قطرۂ نیساں وہ صدف کیا وہ گہر کیا
شاعر کی نوا ہو کہ مغنی کا نفس ہو
جس سے چمن افسردہ ہو وہ باد سحر کیا
بے معجزہ دنیا میں ابھرتی نہیں قومیں
جو ضرب کلیمی نہیں رکھتا وہ ہنر کیا

اسلامی ادب کو فروغ دینے اور اسلامی شعراء و ادباء کی حوصلہ افزائی کے مقصد سے مولانا نے ”عالمی رابطہ ادب اسلامی“ کی بنیاد ڈالی، مولانا اصلاح نصاب کے بڑے حامی تھے بشرطیکہ اصلاح محض برائے اصلاح اور صرف ناقدین کے ذوق کی تسکین کی خاطر نہ ہو، ان کا مدعا ہمیشہ یہ تھا کہ اس اصلاح کا مقصد مدارس کے طلبہ کے اندر اسلامی علوم میں رسوخ پیدا کرنا اور اسلامی طرز فکر کو پوری قوت کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کرنا ہو، وہ چاہتے تھے کہ طلبہ میں اسلامی ثقافت سے نہ صرف یہ کہ گہری واقفیت ہو، بلکہ وہ اسلام کی ابدیت اور اسلامی تہذیب کی حیویت پر مکمل یقین رکھتے ہوں، وہ مایوس کن حالات میں بھی یہ ماننے کو تیار نہ ہوں کہ اسلام اب اپنی معنویت کھو چکا ہے، بلکہ مضبوط علمی دلائل کے ذریعہ وہ دنیا کے سامنے یہ ثابت کرنے کا ہنر رکھتے ہوں کہ اسلام کا چشمۂ حیواں کبھی خشک نہیں ہوتا اور اس کا فیض ہمیشہ جاری رہتا ہے، اور اسی لئے نصاب میں چرند پرند اور حیوانات کی کہانیاں پڑھنے کے بجائے وہ چاہتے تھے کہ مسلم بچے انبیاء اور صلحاء کی کہانیاں پڑھیں، اس مقصد کے تحت حضرت مولانا نے نئی نئی درسی کتابیں خود بھی لکھیں اور اپنے شاگردوں سے بھی لکھوائیں، مختارات من أدب العرب، منثورات من أدب العرب، قصص النبیین الفقه المیسر، جزیرۃ العرب، تاریخ الادب العربی بین عرض و نقد وغیرہ کتابیں اسی پروگرام کا حصہ ہیں۔

مولانا تنظیموں میں مسلسل اصلاح کے قائل تھے اور ”قوا انفسکم و اھلیکم نارا“ کے تحت چاہتے تھے کہ اصلاح کا عمل پہلے اپنے گھر سے شروع ہو اور اس معاملے میں وہ عرب وعجم کے مزاج کو بتلاتے تھے، ایک دفعہ مولانا مجلس میں فرمانے لگے کہ جب وہ پہلی بار مصر گئے اس وقت ”الاخوان المسلمون“ پر پابندی عائد تھی اور ان کے پروگرام انڈر گراؤنڈ ہوا کرتے تھے، ماذا خسر کے حوالے سے مولانا کی شہرت مصر تک پہنچ چکی تھی، اس وقت مرحوم حسن الهضیبی اخوان کے مرشد عام تھے، مولانا کے اعزاز میں ان لوگوں نے ایک پروگرام رکھا اور مولانا کو خطاب کی دعوت دی، مولانا فرماتے ہیں کہ اس وقت میرے مزاج پر تبلیغی اثرات بہت زیادہ تھے، جب میں نے تقریر شروع کی تو میں نے اپنے گھر کی اصلاح، اپنے بچوں کی تعلیم وتربیت، ذاتی زندگی میں نماز اور دوسرے فرائض کے اہتمام وغیرہ پر زور دیا، مولانا نے فرمایا کہ جب میری تقریر ختم ہوئی اور اس پر تبصرے کے لئے حسن الهضیبی صاحب کھڑے ہوئے تو اس وقت وہ یہ کہہ سکتے تھے کہ علی میاں تم ابھی ابھی مصر آئے ہو، تم اخوان کے بارے میں کیا جانتے ہو؟ لیکن انہوں نے یہ سب کہنے کے بجائے یہ تبصرہ فرمایا کہ ابھی ہمارے درمیان شیخ ابوالحسن خطاب فرمارہے تھے، ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے ہمارے درمیان شیخ حسن البنا موجود ہوں، مولانا نے مزید فرمایا کہ اس کے برخلاف میں نے ایک بار اورنگ آباد میں تقریر کی اور انہیں موضوعات پر زور دیا تو کسی نے جاکر حضرت نظام الدین میں حضرت جی سے یہ شکایت درج کرائی کہ علی میاں تبلیغی جماعت کے مخالف ہوگئے ہیں اور پھر مولانا کو صفائی پیش کرنی پڑی۔

مولانا اپنی تقریروں اور گفتگو میں ہندوستانی مسلمانوں کو درپیش خطرات سے آگاہ فرماتے، وہ کہتے تھے کہ اس ملک کو ایک دوسرا اسپین بنانے کی تیاری کی جاچکی ہے، ہمیں اس ملک کو بچانا ہے، مزید فرماتے کہ ہم اس ملک میں اپنے پورے ملی وجود اور تشخص اور اپنی زبان کے ساتھ جینا چاہتے ہیں، ہم اس ملک میں اپنے تہجد کی ایک رکعت سے بھی دست بردار ہونے کو تیار نہیں ہیں، حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ جیسے مربی روز روز جنم نہیں لیتے، ان کی شخصیت کی خاص بات یہ تھی کہ کثرت مشاغل کے باوجود انہوں نے اپنے علمی سفر کو آخری سانسوں تک جاری رکھا اور اپنے دوسرے مشاغل کو علمی مشغلہ پر کبھی بھی حاوی نہیں ہونے دیا، ان کی شخصیت اتنی

عظیم بن چکی تھی کہ وہ اپنے تعارف کے لئے کسی اور حوالہ کے محتاج نہ تھے، بلکہ اداروں اور تنظیموں کا تعارف، بلکہ بسااوقات ملک عزیز ہندوستان کا تعارف بھی ان کی ذات سے ہوتا تھا، وہ ایک اعتدال پسند انسان تھے، اخلاص وللہیت، تقویٰ وپرہیزگاری ان کی شرست میں تھی، وہ بیک وقت ایک داعی، ایک معلم، ایک منتظم، ایک تاریخ نویس، ایک تذکرہ نگار، ایک ادیب اور ایک عظیم مربی تھے، وہ اس دنیا سے رخصت تو ہوگئے، لیکن اپنے پیچھے لاکھوں شاگردوں اور چاہنے والوں کا لشکر چھوڑ گئے، ان کا جسد خاکی تو خاک کے پردہ میں چھپ گیا لیکن ان کی فکر اور ان کا کردار کبھی نہیں مرسکتا، وہ اپنے افکار وکردار کے ساتھ ہمیشہ ہمارے دلوں میں زندہ رہیں گے، زندگی کی پچاسی بہاریں دیکھ کر علم وفضل کا یہ سلطان 31 دسمبر 1999ء کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا اور اپنے پیچھے ایک ایسا لشکر چھوڑ گیا جو اس کے افکار و نظریات کو لے کر دعوت واصلاح کے عملی میدانوں میں آگے بڑھ رہا ہے، وہ ہندوستان میں دعوت واصلاح کی تاریخ کا ایک اہم باب ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کی لحد کو نور سے بھردے اور اعلیٰ علیین میں جگہ نصیب فرمائے۔ آمین۔

ooo

# رضوان کے سالانہ خریداروں سے گزارش

یہ بات آپ کے علم میں ہے کہ ماہنامہ رضوان کی اشاعت خالص تبلیغی مقاصد کو پیش نظر رکھ کر کی جاتی ہے۔ کوئی تجارتی کاروباری مفاد اس اشاعت میں پیش نظر نہیں ہے۔ چنانچہ ۴۰ صفحات کے اس رسالے کی قیمت انتہائی کم (فی شمارہ صرف بیس روپے اور سالانہ خریداری-/200 روپے) ہے۔ ہمارے پیش نظر نفع بخش کاروبار نہیں بلکہ ہم اپنے وسائل میں رہتے ہوئے رضوان کے ذریعے بیش بہا مضامین شائع کرتے ہیں۔ اس ضمن میں رضوان کے سالانہ خریدار بھی اہم کردار ادا کرسکتے ہیں۔ اگر تمام سالانہ خریدار اپنی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے بروقت اپنی سالانہ رقوم "ادارہ رضوان" کو بھیج دیں تو وہ بھی ہماری ان تبلیغی کوششوں میں معاون ہوں گے۔

سالانہ خریداروں سے گزارش ہے کہ مدت خریداری ختم ہونے پر زرسالانہ کی ترسیل میں جلدی فرمائیں۔ ہر ماہ سرخ نشان کے ذریعہ ان کو اطلاع دی جاتی ہے۔ اور منی آڈر فارم بھی روانہ کیا جاتا ہے۔ تاکہ یاددہانی ہوسکے۔

یاد رکھئے! زرسالانہ کی بروقت عدم وصولی سے ادارے پر مالی بوجھ بڑھتا ہے اور پچھلے کچھ عرصے سے اس میں اضافہ ہی ہوا ہے لہٰذا سالانہ خریداروں سے گزارش ہے کہ رضوان کی مدت خریداری ختم ہوتے ہی زرسالانہ کی ادائیگی کریں تاکہ ادارے پر مالی بوجھ نہ پڑے بصورت دیگر اگر آئندہ "رضوان" خریدنا نہیں چاہتے، تب بھی خط لکھ کر یا بذریعہ فون اس بارے میں دفتر رضوان کو مطلع فرمادیں۔ نیز اپنا خریداری نمبر یا جس نام سے رسالہ جاری ہے وہ پتہ صاف اور خوشخط ضرور لکھیں۔ آپ کا تعاون اس دینی سعی وکاوش میں ہمارے لئے نہایت اہم اور "رضوان" کے معیار میں اضافے کے ساتھ آپ کیلئے کار خیر کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

قارئین رضوان سے گذارش ہے وہ اپنا سالانہ چندہ مندرجہ ذیل اکاؤنٹ میں جمع کرسکتے ہیں۔

**Bombay Mercantile Co-operative Bank, Lucknow-18**

**Name of Account "RIZWAN MONTHLY", Account No. : 20511010005299**

**IFSC Code : UTIBOSBMCBI**

**Cantt. No. : 9415911511** نوٹ: رقم ڈالنے کے بعد دفتر کو مطلع ضرور کریں ورنہ رقم آپ کے کھاتہ میں منتقل نہ ہوگی۔ اس نمبر پر مطلع کریں

مفتی محمد حبیب الرحمان دیودرگی

# امام بخاری علیہ الرحمۃ اللہ

# چند امتیازی خصوصیات

دینی مدارس سے ہر سال لاکھوں فضلاء فارغ التحصیل ہوتے ہیں، ان تمام طلبۂ کرام نے آخری سال امام بخاریؒ کی صحیح بخاری شریف پڑھی، احادیث مبارکہ کے ورد کے ساتھ، سند پر، متن پر کلام کو سماعت فرمایا، ہزاروں دفعہ امام بخاریؒ کا تذکرہ آیا، ان کے اقوال، ان کے ابواب پر بحث ومباحثہ کو سنا، مناسب محسوس ہوا کہ امام بخاریؒ کی کچھ خصوصیات کا تذکرہ کیا جائے، تاکہ فارغین مدارس ان کے ان قابل تقلید پہلوؤں کو اپنی زندگی میں اپنائیں۔ جس کتاب کو ہم نے سال بھر پڑھا، اس سے مستقل لگاؤ رکھا، اس کتاب کے مصنفؒ کی زندگی بھی ہمارے سامنے رہے، تاکہ خارجی زندگی میں انہیں اپنائیں، اپنے لئے مشعل راہ بنائیں۔

## حرام مال سے پرہیز

امام بخاریؒ (متوفی 256ھ) کے زمانے میں احادیث مبارکہ کی سیکڑوں کتابیں لکھی گئیں، کئی مصنفین ومحدثین کا اس زمانے میں دور دورہ تھا، ایک ایک محدث کے سیکڑوں شاگرد ہوا کرتے تھے، ان سب کے باوجود جو قبولیت اللہ تعالیٰ نے امام بخاریؒ اور ان کی کتاب کو نصیب فرمائی وہ دوسروں کے حصے میں نہیں آئی، اس کے اسباب ووجوہات پر نظر کرتے ہوئے علماء نے ارشاد فرمایا کہ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ان کے والد بزرگوار نے اپنے بچے کے لئے حلال اور پاکیزہ غذا کا اہتمام کیا تھا اور حرام اور مشتبہ مال سے اپنے اہل وعیال کی حفاظت فرمائی تھی، جس حلال کی برکت اتنے بڑے علمی کارنامے کے ذریعہ ظاہر ہوئی، بخاری شریف کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ (قرآن کریم کے بعد صحیح ترین کتاب) کا درجہ حاصل ہوا ہے، انسان کے اس کارنامے کو یہ درجہ حاصل ہونا کوئی معمولی بات نہیں، علماء نے ارشاد فرمایا کہ اس درجے کے حاصل ہونے میں ان کے والد کا کھانے کے سلسلہ میں کمال احتیاط کو بڑا دخل ہے، جب کہ ان کے والدؒ نے انتقال کے موقعہ پر اپنے کثیر مال کے تعلق سے ارشاد فرمایا تھا کہ "**لا أعلم من مالي درهما من حرام، و لا درهما من شبهة**" (فتح الباری-1/479) میرے مال میں کوئی درہم حرام تو درکنار شبہ کا بھی نہیں ہے، اسی لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر ایک اپنی آمدنی کے ذرائع پر نظر رکھے، پاکیزہ اور طیب کی تلاش میں رہے اور حرام وناپاک مال سے اجتناب کرے۔

## غیبت سے اجتناب

حدیث مبارکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی جو تعریف کی ہے کہ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ وزبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ (مشکوٰۃ، ص-12) اس لحاظ سے دوسرے مسلمان کو ہاتھ سے اذیت پہنچانا تو دشوار ہے، لیکن زبان سے اذیت دی جاسکتی ہے اور اس سے بچنا نہایت دشوار کن مرحلہ ہے، اس میں بھی غیبت سے بچنا بہت ہی مشکل ہے، نیز ایسے موقع پر جب کہ مخالفین کی جانب سے زبان وقلم کے نشتر چلائے جارہے ہوں اور مخالفین نیچا دکھانے کے لئے ہر جانب سے کوشاں ومساعی ہوں، اس کے باوجود حق پر زبان کی استقامت میں ذرہ برابر فرق نہ آنا یہ امام بخاریؒ کی کرامت سے بڑھ کر ہے، امام بخاریؒ نے فرمایا: "ما

اغتبت أحدا منذ علمت أن الغيبة حرام، و في رواية: لأرجو أن ألقى الله و لا يحاسبني أني اغتبت أحدا۔" (فتح الباری-1/480) جب سے مجھے غیبت کے حرام ہونے کا پتہ چلا تب سے میں نے کسی کی غیبت نہیں کی، ایک اور روایت میں یوں ہے کہ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ سے میں اس حالت میں ملوں گا کہ اللہ تعالیٰ غیبت کے سلسلہ میں مجھ سے حساب نہیں لیں گے، کیونکہ میں نے کسی کی غیبت نہیں کی۔ یہی وہ خصوصیت ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں مقبولیت کا یہ مقام و مرتبہ نصیب فرمایا، غیبت کے سلسلہ میں جس قدر سخت وعیدیں قرآن و سنت میں وارد ہوئی ہیں اسی قدر اس میں ابتلا بھی عام ہے، ایسے میں اپنی زبان پر قابو رکھنا اور مخالفین کے سلسلہ میں زبان کو ساکت رکھنا اور دوسروں کا تذکرہ برائی سے نہ کرنا، یہ ایسی خصوصیت ہے کہ جس کی آج ہر عام و خاص، عالم و جاہل سب کو ضرورت ہے۔

## علمی وقار کی حفاظت

ایک مرتبہ امام بخاریؒ دریائی سفر کر رہے تھے کہ ایک ہزار اشرفیاں ان کے ساتھ تھیں، ایک شخص نے کمال نیازمندی کا طریقہ اختیار کیا اور امام بخاریؒ کو اس پر اعتماد ہوگیا، اپنے احوال سے اس کو مطلع کیا، یہ بھی بتادیا کہ میرے پاس ایک ہزار اشرفیاں ہیں، ایک صبح کو جب وہ شخص اٹھا تو اس نے چیخنا شروع کیا اور کہنے لگا کہ میری ایک ہزار اشرفی کی تھیلی غائب ہے، چنانچہ جہاز والوں کی تلاشی شروع ہوئی، امام بخاریؒ نے موقعہ پاکر چپکے سے وہ تھیلی دریا میں ڈال دی، تلاشی کے باوجود وہ تھیلی دستیاب نہ ہوسکی تو لوگوں نے اسی کی ملامت کی، سفر کے اختتام پر وہ شخص امام بخاریؒ سے پوچھتا ہے کہ آپ کی وہ اشرفیاں کہاں گئیں؟ امام صاحب نے فرمایا: میں نے ان کو دریا میں ڈال دیا، کہنے لگا اتنی بڑی رقم کو آپ نے ضائع کردیا؟ فرمایا کہ میری زندگی کی اصل کمائی تو ثقاہت کی دولت ہے، چند اشرفیوں کے عوض میں اس کو کیسے تباہ کرسکتا تھا؟ (مقدمہ کشف الباری، ص132، بحوالہ آفتاب بخارا-118)

غور کیجئے! امام بخاریؒ نے علمی وقار کی حفاظت کی خاطر اپنے کثیر مال کو ضائع کرنا پسند کیا، ثقاہت پر ادنیٰ آنچ آئے ان کی ثقاہت و بھروسہ پر حرف گیری کی جائے، اسے برداشت نہیں کیا، آج اللہ تعالیٰ نے ہمیں بھی علم کی دولت سے نوازا ہے، علم کے نور سے منور فرمایا ہے، اسی علم کی دستار ہمارے سر پر لپیٹی گئی ہے، انہیں امام بخاریؒ کی کتاب پڑھ کر ہم فارغ ہو رہے ہیں تو مال کی خاطر، دولت کی لالچ میں علمی وقار کا سودا نہ کریں، فانی دولت کے لئے مالداروں کے سامنے اپنے آپ کو رسوا و ذلیل نہ کریں، جس سے ہمارا علمی وقار مجروح ہوجائے۔

نیز طلبائے کرام کے ساتھ شفقت کا یہ عالم ہوتا کہ امام ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں: "وكان قليل الأكل جدا، كثير الاحسان الى الطلبة مفرط الكرم۔" (فتح الباری-1/481) آپؒ کی غذا بہت کم تھی اور طلبہ پر بہت زیادہ احسان وکرم فرماتے تھے۔ امام بخاریؒ کی یہ خاص صفت بخاری پڑھے ہوئے اساتذہ کرام کو اپنانی چاہئے اور طلبہ کو اپنا غلام یا نوکر سمجھنے کے بجائے ان پر احسان وکرم کا معاملہ کرنا چاہئے، اس لئے یہ طلبہ اساتذہ کے لئے دوطرح سے محسن ہیں، ایک تو یہ کہ انہیں کی طفیل میں دنیا میں روزی ملتی ہے اور انہیں کے ذریعہ آخرت کی سرخروئی ہے یہ طلبہ ہمارے علوم کے محافظ اور اس کے نشر کرنے والے بنیں گے، انہیں کے واسطے سے ہمارا فیض عالم میں پہنچے گا، طلبہ کے ساتھ ترش روئی وناز یبا رویہ خود اپنے ہی پیر پر کلہاڑی مار لینے کے مترادف ہے، غور کیجئے! امیرالمؤمنین فی الحدیث جب طلبہ کے ساتھ احسان و شفقت کا معاملہ کرسکتے ہیں جن کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں میں ہے تو ہما شما کا کیا اعتبار؟

## امام بخاریؒ کی نماز

نماز بندۂ مومن کی معراج ہے، اللہ تعالیٰ سے لینے اور قرب الٰہی کا ذریعہ ہے،

صحابہ کرام کی حالت نماز میں ایسی ہوتی کہ گویا کہ وہ خشک لکڑی ہیں اور دو دو رکعت نماز کے ذریعہ اپنے مسائل کو حل کرلیا کرتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز سے اتنا لگاؤ تھا کہ عبادت کرتے ہوئے پائے مبارک پر ورم آجاتے، کوئی ادنیٰ سا معاملہ پیش آتا تو نماز کی طرف متوجہ ہوجاتے، اسی نماز کے تعلق سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث جبرئیل میں تعلیم دی کہ: "ان تعبدالله كأنك تراه فان لم تكن تراه فانه يراك." (مشکوۃ، ص-11) نماز میں اتنا استحضار پیدا کرو کہ نماز میں یہ تصور قائم ہوجائے کہ اللہ تعالیٰ کو تم دیکھ رہے ہو، اگر یہ نہ ہو تو کم ازکم یہ تصور تو قائم کرو کہ اللہ تعالیٰ ہم کو دیکھ رہے ہیں، اس سے تمہیں عبادتوں میں احسانی کیفیت حاصل ہوگی۔ امام بخاریؒ کی نماز کیسی احسانی کیفیت سے معمور تھی، آپ اس واقعہ سے اندازہ لگایئے کہ ایک دفعہ آپؒ نماز پڑھ رہے تھے بھڑ نے آپ کے جسم پر سترہ دفعہ کاٹ دیا، جب آپؒ نے نماز پوری کی تو کہا کہ دیکھو! کونسی چیز ہے جس نے مجھے نماز میں تکلیف دی ہے؟ شاگردوں نے دیکھا تو بھڑ تھی جس کے کاٹنے سے ورم آگیا تھا، آپؒ سے جلدی نماز ختم کرنے کی بابت سوال کیا گیا تو فرمایا کہ میں جس سورت کی تلاوت کررہا تھا اس کے ختم کرنے سے قبل نماز ختم کرنا نہیں چاہ رہا تھا۔(فتح الباری-1/481)

## امام بخاریؒ کا مجاہدہ

شاعر کہتا ہے۔ ؎

**بقدر الكد تكتسب المعالی**
**من طلب العلی سهر اللیالی**

محنت کے بقدر بلندیاں نصیب ہوتی ہیں، نیز جو بلندیاں چاہے وہ راتوں کو جاگا کرے، محنت کی جو بھی شکل ہو امام بخاریؒ اسے اپنانے سے ہرگز گریز نہیں کرتے تھے، علم کے لئے مجاہدہ کی بابت امام محمد بن ابی حاتم وراق بیان کرتے ہیں کہ بسا اوقات، دوران سفر امام بخاریؒ کے ساتھ ایک ہی کمرہ میں رات گذرتی تھی، میں دیکھتا ہوں کہ رات کو پندرہ بیس دفعہ اٹھتے ہیں، ہر دفعہ چراغ جلا کر حدیث پر نشان لگاتے ہیں، پھر نماز تہجد ادا کرتے ہیں اور مجھے کبھی نہیں اٹھاتے، میں نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ آپ اس قدر مشقت برداشت کرتے ہیں، آپ مجھے اٹھالیا کریں، امام صاحبؒ نے فرمایا: تم جوان آدمی ہو، میں تمہاری نیند خراب کرنا نہیں چاہتا۔(سیراعلام النبلاء۔ 12/404، بحوالہ آفتاب بخارا-120)

آپ کے طعام کا تذکرہ کرتے ہوئے ابن حجر عسقلانیؒ نے فرمایا: "وکان قلیل الأکل جداً" آپؒ کی خوراک بہت ہی کم تھی، بہت زیادہ مجاہدہ کھانے کے اعتبار سے برداشت کرتے تھے، امام بخاریؒ کا قارورہ جب معائنے کے لئے اطباء کے پاس پیش کیا گیا تو اطباء نے دیکھ کر کہا کہ یہ ان لوگوں کے قارورے کی طرح ہے جو سالن کا استعمال نہیں کرتے، امام بخاریؒ نے فرمایا: ہاں بات صحیح ہے، میں نے چالیس سال سے شوربا استعمال نہیں کیا، اس کے علاج کے بارے میں پوچھا گیا تو اطباء نے کہا کہ اس کا علاج شوربا استعمال کرنا ہے، امام بخاریؒ نے انکار کیا حتی کہ مشائخ واہل علم نے بہت ہی زیادہ التجا کی تو روٹی کے ساتھ شکر استعمال کرنے لگے۔ (فتح الباری-1/481) یہی وہ مجاہدات ہیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے امام بخاریؒ کو بلندیاں نصیب فرمائیں۔

## امام بخاریؒ کا رمضان

رمضان کی پہلی رات میں اپنے ساتھیوں کو جمع کرتے، ان کی امامت فرماتے، ہر رکعت میں بیس آیتوں کی تلاوت کرتے، نیز اسی ترتیب پر قرآن ختم فرماتے، ہر دن سحری تک قرآن کریم کا ایک تہائی حصہ تلاوت فرماتے، اس طرح تین رات میں تلاوت کرتے ہوئے قرآں ختم فرماتے، نیز رمضان کے ہر دن میں ایک دفعہ قرآن کریم ختم فرماتے اور ہر مرتبہ ختم کرتے ہوئے دعا کا اہتمام کرتے۔ (فتح الباری-1/481) گویا رمضان کا مہینہ امام بخاریؒ کے یہاں تلاوت کا مہینہ ہوا کرتا، صبح وشام رات بھر تلاوت کا خاص شغف واہتمام ہوا کرتا۔

نیز ابتلا آزمائش، تکالیف، مصیبتیں، امتحانات، انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو زیادہ پیش آئے ہیں، پھر جو شخص ان کے زیادہ قریب ہوتا ہے اسے بھی ابتلا و آزمائش میں ڈالا جاتا ہے، کسی نے فرمایا: مجھے مصائب سے دوچار کیا گیا کہ اگر وہ مصائب دن پر ڈال دیئے جائیں تو وہ رات ہو جائیں، امام بخاریؒ کو بھی اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے امتحانات میں ڈالا، کئی مرتبہ آپؒ کو جلاوطنی کی زندگی گذارنی پڑی، معاصر علمائے کرام میں سے کئی ایک نے موقعہ بموقعہ آپؒ پر اعتراضات اور آپ کے خلاف زبان درازی کا طویل سلسلہ جاری رکھا، امیروں اور حاکموں نے الگ طوفان کھڑا کیا، ان سب کے باوجود آپؒ اپنی زبان پر شکایت کے حروف نہیں لائے، اخیر میں سمرقند جانے کا ارادہ کیا تو روک دیا گیا، خرتنگ نامی چھوٹی سے جگہ میں امیر المؤمنین فی الحدیث ابدی نیند سو گئے۔ لیکن ان تکالیف و مصیبتوں کو جھیل کر کسی کی بھی غیبت میں اپنی زبان کو ملوث نہیں کیا، علوم دینیہ کے حصول میں مشغول رہنے والوں کے لئے ایک بہترین سبق ہے کہ وہ امام بخاریؒ کے تحمل کو، دیگر صفات کو اپنی زندگی کا جز ولاینفک بنالیں، تب ہی جا کر کوئی بڑا علمی معرکہ سر کیا جاسکتا ہے، نیز ان صافت سے مزین ہو کر اپنی دنیوی واخروی زندگی کو سنواریں۔

## چغل خور کی بات کھل جائے تو انتہائی ذلت ہے

عتبہ ابن ابی لبابہ ابو عبید اللہ قرشیؒ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک آدمی چند کلمات حاصل کرنے کے لئے دوسرے شخص کے پاس سات سو سرخ (تقریباً دو ہزار میل) کی مسافت طے کر کے پہنچا۔ اور کہنے لگا کہ میں تیرے پاس وہ علم حاصل کرنے کو حاضر ہوا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے تجھے عطا فرمایا ہے، مجھے آسمان کے متعلق بتایئے اور اس چیز کے متعلق جو اس سے بھی بوجھل ہے۔ زمین کے متعلق اور جو چیز اس سے بھی طویل وعریض ہے، پتھر کے متعلق اور جو چیز اس سے بھی سخت ہے۔ آگ کے متعلق اور جو چیز اس ے بھی زیادہ گرم ہے زمہریر کے متعلق اور جو چیز اس سے بھی زیادہ ٹھنڈی ہے اور سمندر کے متعلق اور جو اس سے بھی گہری ہے۔ یتیم کے متعلق اور جو اس سے بھی زیادہ ضعیف ہے اور بعض روایات میں ہے کہ زہر کے متعلق اور جو چیز اس ے بھی زیادہ مہلک ہے وہ شخص جواب میں کہنے لگا کہ کسی بے گناہ پر بہتان لگانا آسمان سے بھی زیادہ بوجھل ہے اور حق (سچ) زمین سے زیادہ وسیع ہے اور قناعت والا دل سمندر سے زیادہ گہرا ہے اور حرص کسی جسم کے لئے آگ سے بھی زیادہ گرم ہے اور کسی رشتہ دار کی طرف محتاج ہونا جب کہ اس میں کامیابی بھی نہ ہو، زمہریر سے زیادہ ٹھنڈا ہے اور کافر کا دل پتھر سے زیادہ سخت ہے اور چغل خور کی بات جب لوگوں میں کھل جائے تو وہ یتیم سے بھی زیادہ ذلیل ہو جاتا ہے اور چغلی زہر سے بھی زیادہ مہلک ہے۔

حضرت ابن عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جب جنت کو پیدا کیا تو اسے فرمایا کہ کوئی بات کرو وہ کہنے لگی کہ وہ شخص سعادت مند ہوگا جو میرے اندر داخل ہوگا۔ حضرت جبار جل وعلیٰ نے فرمایا میری عزت وجلال کی قسم آٹھ آدمی تجھ میں نہیں آئیں گے۔ ہمیشہ شراب پینے والا یعنی شراب کا عادی۔ زنا پر اصرار رکھنے والا شخص، چغل خور، دیوث، سپاہی مخنث (ہیجڑا) قرابت توڑنے والا اور وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کے نام پر کوئی عہد کرے اور ایفا نہ کرے۔

حضرت عمرؓ بن عبد العزیز کی خدمت میں ایک آدمی آیا اور کسی شخص کی بات کی آپ نے فرمایا: اگر تو چاہے تو ہم تیرے متعلق تحقیق کرلیں تو جھوٹا ہو تو (اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْا) (سورہ حجرات، آیت:6) ترجمہ: "اگر کوئی شریر آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو خوب تحقیق کرلیا کرو۔" کے مصداق میں داخل ہوگا اور اگر تو سچا ہوا تو (هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيْمٍ) (سورہ قلم، آیت:11) ترجمہ: "طعنے دینے والا، چغلیاں لگانے والا" میں داخل ہوگا اور اگر تو چاہے تو معاف کردیں۔ وہ شخص بولا امیر المومنین میں معافی چاہتا ہوں آئندہ ایسا نہ کروں گا۔ (تنبیہ الغافلین، ص:180)

مفتی محمد مبین احمد قاسمی دیگلوری

# مساوات مرد وزن کا پُر فریب نعرہ!

آج دنیا میں ہر کوئی تہذیب جدید سے مرعوب ہو کر اپنی حماقت سے یہ دعویٰ کرتا ہے کہ عورت اور مرد میں مکمل مساوات ہونا چاہئے، اور اپنے اس دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے اور اس کے وضع کرنے میں اپنا سب سے بڑا دشمن اسلام کو سمجھتے ہیں اور آئے دن ہر کوئی دین اسلام اور اس کے احکام پر لعن طعن کرتا رہتا ہے۔ تہذیب جدید سے پیراستہ مغربیت کا کھوکھلا لبادہ اوڑھے ہوئے یہ ضمیر فروش بھیڑیے نام نہاد مسلم، اسلام کو ایک زمانہ قدیم کا نمائندہ مذہب تصور کر کے اس کے احکام کو ترقی جدید میں رکاوٹ سمجھتے ہیں؟ یوں تو دنیا میں ہر طرح کے قوانین ہیں جو ہر طرح کے شعبہ کے تحت علاحدہ علاحدہ ایجاد کئے گئے ہیں۔ مثلاً نظام ٹرافک ہے تو اس کا ایک اصول ہے، اگر اس کے قوانین کو ملحوظ نہ رکھا جائے تو نظام زندگی درہم برہم ہو جائے گی۔ لوگ گھروں سے نکلنے میں ڈرنے لگیں گے کہ پتہ نہیں کونسی گاڑی کب اور کدھر سے آجائے اور اپنا لقمہ بنالے لہٰذا یہ قانون ٹریفک لازمی ہے ایسے ہی کوئی سوسائٹی کوئی سماج قانون کے بغیر منظم نہیں رہ سکتا کیونکہ قانون لوگوں کے حقوق و فرائض متعین کرتا ہے، محافظ کا رول ادا کرتا ہے۔ اسی طرح ضرورت ہے انسانی زندگی کے گذارنے کے بھی کچھ قوانین ہوں جس کے تحت زندگی گزاریں مگر ایسے قانون کے لئے اس کا بنانے والا ہونا چاہئے جو علم اور صفت عدل سے پیراہن ہو کیونکہ اس کے لئے اولاد آدم کی ضروریات مفادات و جذبات اور انسان پر آنے والے حالات سے واقفیت ضروری ہے ورنہ تو قانون بنا ہی نہیں سکتا۔ دوسرا اس میں عدل ہو کیونکہ قانون کا مقصد سہولتیں مہیا کرنا ظلم کو روکنا انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنا ہے، جو خود عادل نہ ہو اس سے کیونکر یہ امید لگائی جاسکتی ہے کہ اس کا وضع کردہ قانون انسانیت کے حق میں بہتر ہو۔

لہٰذا کوئی انسان کسی دوسرے انسان کی زندگی کے لئے قانون بنا ہی نہیں سکتا، اس کے لئے تو وہی بہتر ہے جس نے انسان کو پیدا کیا جیسے کہ کسی شئے کا بنانے والا ہی اس کے استعمال کا طریقہ بتاتا ہے اور جب اس پیدا کرنے والے کا قانون موجود ہے تب کیونکر دوسرے قوانین جن کا مستقبل کال کوٹھری ہے اپنا سکتا ہے اور ان کا یہ مساوات کا دعویٰ تو عین فطرت انسانی کے خلاف ہے۔ قدرت نے دو جنس بنائی ہے اور دونوں میں نمایاں فرق ہے، ذہن و فکر دونوں کے الگ الگ بنائے، دونوں کے فطری رجحانات و میلانات، مزاجی خصوصیات الگ رکھی، دونوں کے جسمانی طاقت و قوت، تحمل و تفکر، صبر و ضبط، عزم و حوصلہ، جرأت و ہمت غرض یہ کہ ذہنی و جسمانی قوتوں میں نمایاں فرق رکھا کہ کوئی بھی شخص جس کے پاس عقل سلیم اور فہم و فراست ہو وہ مرد اور عورت میں مکمل مساوات کا دعویٰ کر ہی نہیں سکتا۔ جو لوگ مساوات کا دعویٰ کرتے ہیں وہ مصنوعی طور پر عورت کے سطح کو اونچا کر کے اور مرد کو اس کی سطح سے نیچا کر کے کہتے ہیں کہ دیکھو ہم نے مساوات کر دی دراصل وہ لوگ دھوکا دے رہے ہیں، کیونکہ جن ترقی یافتہ اور اپنے آپ کو تہذیب جدید سے پیراہن سمجھ کر مصنوعی اور خلاف فطرت مساوات کو عملی طور پر نافذ کیا ہے وہ اس کا نتیجہ دیکھ رہے ہیں کہ جس معاشرے میں جو ابتری پھیلی اور عائلی زندگی میں جو تباہی و بربادی آئی، اس کا خمیازہ ترقی یافتہ ممالک کا دانشور طبقہ آج اس صورت حال سے پریشان اور خاندانی زندگی کے درہم برہم ہونے پر

ورد سے کراہ رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مرد اور عورت میں مکمل مساوات ہو ہی نہیں سکتا بلکہ تہذیب جدید سے مرعوب ہو کر جو دعویٰ کرتے ہیں وہ ان کی حماقت ہے کیونکہ جو دعویٰ کرتے ہیں، دراصل وہ فطرت سے جنگ کررہے ہیں اور فطرت سے جنگ کرکے کبھی انسان کامیاب نہیں ہوسکتا اور نہ کبھی کامیاب ہوا، یہی وجہ ہے کہ دنیا کے تمام مذاہب قومیں اور سوسائٹیوں نے عورت کو جو مقام دیا وہ عورت کے لئے قطعی غیر موزوں ہے کیونکہ وہ تمام عورت کی فطرت کے خلاف ہے اور اس کے تباہ کن اثرات سے آج کس قدر دنیا متاثر ہے، نتیجہ آنکھوں کے سامنے موجود ہے۔ اس کے برعکس اسلام نے جو عورت کو بلند مقام دیا ٹھیک اس کے فطرت کے مطابق ہے۔ جو اس کے شایان شان ہے جس سے اس کے تمدنی زندگی مستحکم اور عائلی زندگی استوار ہوتی ہے۔ خاندانی تعلقات میں تقدس و پاکیزگی خلوص و محبت کی جلوہ افزائی ہوتی ہے۔ اسلام نے اسلامی معاشرے میں عورت کو نہ بڑھا کر بازار کی رونق بنایا اور نہ ہی گھر کی خادمہ تک محدود رکھا بلکہ اسلام نے عورت کو ایک ملکہ اور شہزادی کا وقار عظمت عطاء کیا اور شوہر کو اس کی عفت و عصمت کا محافظ بنایا۔ عرض یہ کہ اسلام نے عورت کو جو حقوق و احترام دیئے ہیں ان کے سائے میں عورت کی زندگی سکون اور طمانیت قلبی کا مظہر بن جاتی ہے اور ہر طرح کی جسمانی و ذہنی مشقت سے محفوظ رہتی ہے کیونکہ اسلامی قانون کے مطابق اگر عورت اپنی رہائش کے لئے شوہر سے گھر کا مطالبہ کرے تو شوہر کو اس کا مطالبہ پورا کرنا پڑے گا، وہ اگر پوشاک خوراک یا ضروریات زندگی کے ساز و سامان کا مطالبہ کرے گی تو شوہر کو اس کا مطالبہ پورا کرنا پڑے گا، اگر کوتاہی ہوئی تو عورت قاضی کے ذریعہ شوہر سے وصول کرسکتی ہے۔ اگر شوہر ایک دم نادہندہ ہے تو نکاح فسخ کراسکتی ہے، اس وقت وہ طلاق کی محتاج نہیں ہوگی، اگر شوہر مالدار ہے اور خود معمولی لباس زیب تن کرتا ہو اور عورت اگر مطالبہ کرے عمدہ لباس کا یا کوئی اور جائز مطالبہ کرے تو شوہر پر فرض ہے کہ وہ اس کے مطالبہ کو پورا کرے، الغرض ساری تفصیل اسلامی قانون اور فقہ کی کتابوں میں موجود ہے جن سے ساری کتابیں بھری پڑی ہیں بلکہ وہ بات جس کو یہ ماڈرن زمانہ اور تہذیب جدید سے اپنے آپ کو مزین کیا ہوا ترقی یافتہ کہلانے والا بھی صاف انداز میں نہیں کہتا جب کہ سارے فسانے اور سارے بگاڑ کی جڑ وہی بات ہے وہ جنسی بھوک کا مسئلہ ہے اسلام نے مرد و زن دونوں کو اختیار دیئے ہیں کہ اگر مرد عورت کے اندر کی جنسی بھوک مٹانے کی صلاحیت نہیں رکھتا تو عورت کو اسلام نے اجازت دی ہے کہ عورت قاضی کے یہاں دعویٰ کرکے اپنے شوہر سے نجات حاصل کرلے، اسی طرح مرد کے لئے کہ اگر وہ ضرورت محسوس کرتا ہے تو ایک سے زائد بیبیوں کو نکاح میں رکھ سکتا ہے لہٰذا اسلام نے جو تخلیقی و فطری خصوصیات کے پیش نظر ان کی زندگی کے لئے جو شاہراہ بنائی ہے اگر اسی شاہراہ پر چلے تو وہ ہر طرح کے ذہنی فکری نیز جسمانی و روحانی خطرات و حوادثات سے محفوظ رہے گی اور کبھی بھی ذہنی کشمکش کا شکار نہیں ہوگی کیونکہ یہ سہولتیں عین قانون فطرت کے مطابق ہے اور جو پابندیاں عائد ہیں وہ اس کی عزت واحترام کی ضمانت ہے ورنہ تو جن ممالک نے مرد اور عورت کے درمیان مساوات قائم کردی ہے جس کا نتیجہ انسان کو انسانیت کی باوقار سطح سے اتار کر حیوانیت کی ذلیل ترین سطح پر بٹھا دیا اچھائی اور برائی کی تمیز ختم کردی، عفت و عصمت، پاکدامنی، بدکاری، فحاشی، رسوائی و بے غیرتی کے الفاظ کے معنی تبدیل کردیئے اور اس کے نتائج اتنے ہولناک ہوگئے کہ فرانس کے ایک مصنف نے اپنی کتاب میں لکھا کہ اب نوجوان مرد اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ جب ہم پاکدامن نہیں تو پھر ہمیں اپنی بیویوں سے بھی عفت و پاکدامنی کا مطالبہ کرنے اور چاہنے کا کہ وہ ہمیں کنواری ملے کوئی حق نہیں۔ ترقی یافتہ ممالک کے معاشرے کی جنت ارضی کی سیر

کرنے سے پہلے حقائق کو ذہن نشین کر لینا ضروری ہے تبھی اس کی قدر و قیمت کا اندازہ ہوگا کہ ان ملکوں میں زنا، معیوب نہیں، اسی لئے تو کسی لڑکی کا باعصمت اور پاکدامن رہنا مشکل ہے، ہمارے معاشرے کی جدید تعلیم حاصل کرنے والی خواتین ان کی ظاہری چمک دمک آب وتاب حسن و جمال کو دیکھ کر للچاتی ہیں اور خود احساس کمتری کا شکار ہوجاتی ہیں، انہیں چاہئے کہ اس حقیقت سے آگاہ ہو اور یہ جان لے کہ جو حقوق انسانی فطرت کے تقاضہ کے عین مطابق بیان کئے گئے وہی بہتر ہیں اور جو اسلام کے اس حکم اور اسلام کو زمانہ قدیم کا فرسودہ نمائندہ ترقی جدید میں رکاوٹ سمجھتے ہیں انہیں ترقی یافتہ ممالک میں جرائم کے رپوٹوں میں وجہ تلاش کرنی چاہئے کہ جرائم کی رپوٹوں میں جو وجہ ہوتی ہے وہ پچاس فیصد سے زائد جنسیات سے تعلق رکھتی ہے اور یہ تناسب وہیں کم ہوسکتا ہے جہاں زبان باپردہ ہو کیونکہ زیادہ تر فساد اور جرائم کا وقوع بوجہ زن رونما ہوتا ہے اور اسلام کا احسان ماننا چاہئے کہ اسلام کے احکام کی وجہ سے پردہ کے حکم کی وجہ سے وہی عورت کو عفت وعصمت پاکدامنی کی حفاظت و بقاء رہے گی اور ترقی یافتہ ممالک کی ظاہری چمک دمک کو تسلیم کرکے اسلام پر لعن طعن کرنے والی خواتین کو حق مساوات کی آڑ میں رچایا جانے والا گھناونا عمل سمجھنا چاہئے کہ یہ ایک چال ہے۔ بس اسی طرح جیسے کہ مثل مشہور ہے کہ کسی جنگل میں ایک چرواہے کے پاس چند بکریاں تھیں، جوانہیں باندھ کر رکھا کرتا تھا۔ ایک دفعہ کچھ بھیڑیے ان بکریوں کے پاس آئے اور انہیں ورغلانے لگے کہ ہم آزاد ہیں کہیں پر بھی گھوم سکتے اور تم مقید ہو کہیں جا نہیں سکتیں، یہ تو تم پر ظلم ہے۔ بکریاں بھیڑیوں کی باتوں میں آگئیں اور اپنے مالک کی مخالفت کرنے لگیں، مالک کے لاکھ سمجھانے پر جب وہ نہ سمجھ سکیں تو انہیں چھوڑ دیا۔ اب یہ بکریاں اپنی آزادی کی جشن میں جنگل کی طرف دوڑیں، پھر وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ گھات میں چھپے بھیڑیے آئے اور ان بکریوں کو اپنا لقمہ تر بنالیا۔ یہی صورت حال آج اس ترقی یافتہ فتنہ پرور روشن خیال زمانہ کا ہے جو معصوم اور بھولی بھالی صنف نازک کو حق مساوات کے آڑ میں اپنی ہوس کا نشانہ بنا کر انہیں بازاروں کی رونق بنانا چاہتے ہیں یہ ڈاکو عورت کی سب سے قیمتی چیز اس کی عزت وعصمت کو تار تار کرکے کوڑیوں کے دام میں انہیں بازاروں میں نیلام کرنا چاہتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ وہ خواتین جو ان کی ظاہری زیب و زینت پر رشک کرتی ہیں وہ ان کے حالات اور ان کی گندی سوچ سمجھیں اور ان کے جال فریب سے اپنے آپ کو اور معاشرے کو بچائیں۔

□□□

**بقیہ ......... اسلام کا عائلی نظام**

دراصل ضرورت اس بات کی ہے کہ اسلام کے عائلی نظام ومعاشرتی خاکے کو انسانی زندگی میں برتا جائے اور بیرونی ومغربی طرز زندگی کو خیرباد کہتے ہوئے خالص اسلامی زندگی کی طرف قدم بڑھایا جائے، جس کی نہ صرف مشرقی لوگوں کو ضرورت ہے بلکہ یہ یوروپ اور مغرب کیلئے بھی ناگزیر بن چکا ہے جہاں پر معاشرتی نظام ہلاکت وبربادی کے دہانے پر کھڑا ہے، اجتماعیت کے پرخچے اڑ چکے ہیں، انسانیت اور آپسی میل ملاپ نے رخصت لے لی ہے، باہمی تعاون ونصرت گویا امر موہوم بن چکے ہیں، عورتیں آزادی کے نام پر اپنا تقدس کھو چکی ہیں، ایسے میں اگر کوئی انہیں سنبھالا دے سکتا ہے اور عمدہ معاشرتی نظام پیش کرسکتا ہے تو وہ صرف اور صرف اسلام ہی ہے، اب یہ ہمارے ہاتھوں میں ہے کہ ہم کس حد تک اسلامی پیغام کو عام کرتے ہیں اور جہنم کدہ بنی انسانیت کو پیغام محمدی ﷺ کا جام پلاتے ہیں اور باطل پرستوں کی دنیا میں اسلام کی حق پرستی ثابت کرتے ہیں، اور کس حد تک خاندانی نظام کی تباہی کے درمیان اسلامی نظام معاشرت ورحمت کی چادر کا سایہ ان پر دراز کرتے ہیں۔

□□□

ڈاکٹر احمد عمر ہاشم

# اولاد اور والدین کے باہمی حقوق

قرآن کریم اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطالعے سے ہمیں بڑی وضاحت اور تفصیل کے ساتھ یہ معلوم ہوا ہے کہ اسلام بچوں کی صحیح تربیت و تعلیم اور انہیں انسانی معاشرے کا صالح عنصر بنانے کی بڑی تاکید کرتا ہے۔ اسلام اولاد کو اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت قرار دیتا ہے۔ اس نعمت کی تمنا اور خواہش صرف عام انسانوں کو ہی نہیں ہوتی بلکہ انبیاء علیہم السلام بھی اس کی تمنا کرتے رہے، اور اس کے حصول کے لئے اپنے رب سے دُعا کرتے رہے، مگر وہ ایسی اولاد کے طالب رہے جو والدین کے لئے فتنہ بننے کے بجائے اُن کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہو اور دُنیا کے اندر بدی اور شر میں اضافہ کرنے کے بجائے نیکی اور خیر کے پلڑے میں اپنا بوجھ ڈالنے والی ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ "عباد الرحمٰن" (رحمٰن کے بندوں) کی صفات بیان کرتے ہوئے آخر میں فرماتا ہے کہ وہ اپنے رب سے اولاد کی درخواست اس انداز میں کرتے ہیں:

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا۔ (الفرقان:25-74)

"اے ہمارے رب ہمیں اپنی بیویوں اور اپنی اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک دے اور ہم کو پرہیزگاروں میں امام بنا۔"

اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کے متعلق ارشاد فرمایا کہ:

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ، قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً، إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ۔ (آل عمران: 3-38) یہ حال دیکھ کر زکریا نے اپنے رب کو پکارا: "پروردگارا! اپنی قدرت سے مجھے نیک اولاد عطا کر۔ تو ہی دُعا سننے والا ہے۔"

اس طرح اسلام اولاد کو بلاشبہ ایک عظیم نعمت اور فطری آرزو قرار دیتا ہے اور ساتھ ہی اولاد کی ہر گونہ حفاظت اور تربیت کا حکم دیتا ہے۔ قرآن کریم نے جاہلی دور کے لوگوں کے اس فعل پر سخت تنقید کی وہ بھوک کے خوف سے بچوں کو مار ڈالتے تھے، یا عار اور جھوٹی شرم کی وجہ سے لڑکیوں کو زندہ درگور کردیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ، نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ۔" (انعام:6-151)

"اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو۔ ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی دیں گے۔"

سورۂ بنی اسرائیل میں فقر و فاقہ کے محض اندیشے کی بناء پر قتل اولاد کی ممانعت فرمائی۔ صحیحین میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ یہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کونسا گناہ سب سے زیادہ بڑا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: تو کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرائے۔ درآں حالانکہ اللہ تعالیٰ تجھے پیدا کرنے والا ہے۔ میں نے عرض کیا: "اس کے بعد کونسا گناہ بڑا شمار ہوتا ہے؟" آپؐ نے فرمایا: "تو اپنے بچے کو اس خوف سے مار ڈالے کہ وہ تیرے ساتھ کھانے میں شریک ہوجائے گا۔" پھر میں نے عرض کیا: "اس کے بعد کونسا گناہ عظیم تر ہے؟" آپؐ نے جواب میں فرمایا کہ: "تیرا اپنے ہمسائے کی بیوی سے ناجائز تعلق قائم کرنا؟"

یہ بات محتاج دلیل نہیں ہے کہ اسلام اوائل عمر ہی سے بچوں کو اسلامی اُمور سکھانے کی تاکید کرتا ہے، تاکہ وہ جب بڑے اور باشعور ہوجائیں تو ان کے دلوں میں خدا کا خوف جاگزیں ہوچکا ہو، اور وہ

اپنے رب کی عبادت اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا ذوق وشوق دل میں رکھتے ہوں۔ اسی بنا پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مشہور ارشاد مبارک ہے کہ:

**مُرُوْا اَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ اَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِيْنَ، وَ اضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا وَ هُمْ اَبْنَاءُ عَشْرٍ وَّ فَرِّقُوْا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ۔** (سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، حدیث: 423) "اپنے بچوں کو نماز پڑھنے کا حکم دو، جب کہ وہ سات سال کے ہو جائیں، اور نماز کی خاطر انہیں مارو جب وہ دس سال کے ہو جائیں اور اس عمر میں ان کے بستر بھی الگ الگ کر دو۔"

باپ اگر اپنے بچے کی اس طرح تربیت کرتا ہے کہ بچے کے اندر اللہ کی خشیت اور اطاعت کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے اور وہ صالح زندگی سے ہمکنار ہو جاتا ہے تو باپ کی یہ نیکی اجر و ثواب کے لحاظ سے دائمی نیکی بن جاتی ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دائمی نیکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

**اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ اِنْقَطَعَ عَمَلُهٗ اِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ: صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ اَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهٖ اَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُوْ لَهٗ۔** (صحیح ابن خزیمہ، کتاب الزکوٰۃ، حدیث: 2323) "جب انسان مرجاتا ہے تو اُس کے اعمال کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے مگر اُس کے تین عمل باقی رہتے ہیں، صدقۂ جاریہ، یا وہ علم جس سے استفادہ کیا جا رہا ہو، یا نیک اولاد جو اُس کے حق میں دُعا کرتی ہو۔

جوانی کے زمانے میں جو لڑکے اچھے کام کرتے ہیں اور جن انسانی خوبیوں سے اپنی جوانی کو آراستہ کرتے ہیں، دنیا کے اندر بھی وہ اُن کے اچھے نتائج سے بہرہ مند ہوتے ہیں۔ جوانی کے زمانے میں جو نوجوان جیسا رویہ اختیار کرے گا، پیری میں اس کے ساتھ وہی برتاؤ دوسرے کریں گے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

**مَا اَكْرَمَ شَابٌّ شَيْخًا لِسِنِّهٖ اِلَّا قَيَّضَ اللّٰهُ لَهٗ مَنْ يُكْرِمُهٗ عِنْدَ سِنِّهٖ۔** (ترمذی، کتاب الذبائح، ابواب البر والصلۃ، حدیث: 1995) جو نوجوان کسی بوڑھے کی اُس کے بڑھاپے کی وجہ سے عزت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اُس نوجوان کیلئے بھی کسی کو مقرر کر دیتا ہے جو اُس کی اُس وقت عزت کرے گا جب وہ سن رسیدہ ہو جائے گا۔

سب سے اہم بات جسے اسلام کم عمری کے اندر بچوں میں پیدا کرنے پر زور دیتا ہے وہ راست گوئی ہے۔ یہ بڑی ناگزیر بات ہے کہ بچے سچ بولنے کی تربیت پائیں، اور اپنے گھر کے اندر، خاندان کے اندر اور دوستوں کے اندر راست گوئی کا چرچا دیکھیں۔ اس بارے میں اگر بچے اپنے سامنے اچھا نمونہ پائیں گے تو راست گوئی کے عادی بن سکیں گے۔ حضرت عبداللہ بن عامرؓ بیان کرتے ہیں کہ "ایک روز میری ماں نے مجھے بلایا۔ اُس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی پاس تشریف فرما تھے۔ میری ماں نے مجھے کہا: آؤ تجھے کچھ دوں گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر دریافت فرمایا: تم اُسے کیا دینا چاہتی ہو؟ میری ماں نے جواب دیا کہ میں اُسے کھجور دینا چاہتی ہوں؟ آپؐ نے فرمایا: اگر تم اُسے یونہی بہلانا چاہتیں اور کچھ نہ دیتیں تو تمہارے اُوپر ایک جھوٹ کا گناہ لکھ دیا جاتا۔" (ابوداؤد) حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **اَكْرِمُوْا اَوْلَادَكُمْ وَاَحْسِنُوْا اَدَبَهُمْ۔** (ابن ماجہ، کتاب الادب، باب برالوالد، حدیث: 3669) "اپنی اولاد کی تکریم کرو اور انہیں اچھا ادب سکھاؤ۔"

اولاد سے محبت اور رحمدلی عین تقاضائے اسلام ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ تربیت و تادیب اور محبت و رحمدلی کے دونوں پہلو متوازن رہیں۔ ترغیب و ترہیب اور محبت و تادیب دونوں کے اثرات الگ الگ ہوتے ہیں اور متوازن اور صحت مندانہ تربیت کے لئے دونوں پہلوؤں کو اختیار کرنا ضروری ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسنؓ کو بوسہ دیا۔ حضرت اقرع بن حابسؓ نے یہ دیکھ کر کہا: میرے دس بچے ہیں مگر میں نے اُن میں سے کسی کو آج تک بوسہ نہیں دیا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ لَا یَرْحَمُ لَا یُرْحَمْ۔ (بخاری، کتاب الادب، حدیث :5658) ''جو رحم نہیں کرتا اُس پر رحم نہیں کیا جاتا۔''

بچوں کے اندر جرأت و شجاعت اور مردانگی کی رُوح پھونکنی چاہئے اور جھوٹے قصے کہانیوں اور خرافات سے اُن کے ذہن مسموم نہ کئے جائیں اور نہ انہیں ایسی داستانیں پڑھنے کا موقع دیا جائے جو انہیں زندگی سے متنفر کردیں۔ اُوپر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بیان کیا جاچکا ہے کہ ''بچوں پر پوری توجہ رکھنی چاہئے''۔ لہٰذا انہیں نوکروں چاکروں اور تربیت بچگان کے اداروں کے سپرد کرنے پر اکتفا نہ کیا جائے۔ بچے اکثر برائیاں نوکروں چاکروں سے سیکھتے ہیں اور بسا اوقات یہ صورت حال اندوہناک حادثات پر منتج ہوجاتی ہے۔

بچیوں کے بارے میں آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی تعلیمات ملتی ہیں۔ ایک بچی کی صحیح تربیت سے ایک پاکیزہ خاندان کی داغ بیل پڑتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

مَا مِنْ رَجُلٍ تُدْرِكُ لَهُ ابْنَتَانِ، فَيُحْسِنُ اِلَيْهِمَا مَا صَحِبَتَاهُ اِلَّا اَدْخَلَتَاهُ الْجَنَّةَ۔ (ابن ماجہ، کتاب الادب، باب برالوالد، حدیث :3668) ''جس شخص کی دو بچیاں ہوں اور جب تک وہ اُس کے پاس رہیں اُن سے حسن سلوک کرتا رہے تو وہ اسے جنت میں داخل کرادیں گی۔ (دوسری روایت میں ہے کہ) دو بچیاں ہوں یا دو بہنیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ: ایک مسکین عورت اپنی دو بچیوں کو ساتھ لئے میرے پاس آئی۔ میں نے اُسے تین کھجوریں دیں۔ اُس نے دونوں کو ایک ایک کھجور دے دی اور ایک کھجور اپنے منہ میں ڈالنے لگی تو بچیوں نے وہ بھی اس سے مانگ لی۔ اُس نے کھجور کے دو حصے کئے اور آدھی آدھی دونوں کو دے دی اور خود نہ کھائی۔ مجھے عورت کی یہ خصلت بہت پسند آئی۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا۔ آپؐ نے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَوْجَبَ لَهَا بِهَا الْجَنَّةَ اَوْ اَعْتَقَهَا بِهَا مِنَ النَّارِ۔ (البیہقی، شعب الایمان حدیث :10547) ''اس ایک کھجور کی بدولت اللہ تعالیٰ نے اُس عورت کے لئے جنت لازم کردی یا اُسے دوزخ سے رہائی دے دی۔''

والدین کو اولاد کے ساتھ مساوی سلوک کرنا چاہئے۔ لڑکوں کے ساتھ لڑکیوں کے حقوق بھی پورے کرنے چاہئیں۔ وراثت میں لڑکیوں کو وہ حصہ دیا جائے جو اسلام نے ان کے لئے مقرر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ، لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ۔ (النساء4:114) ''اولاد کے بارے میں اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے۔ مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے برابر ہے۔''

عام معاملات میں اولاد کے ساتھ مساوی سلوک کی جو تاکید اسلام کرتا ہے اس کی ایک مثال یہ ہے: حضرت نعمان بن بشیرؓ روایت کرتے ہیں کہ میرے والد بشیر نے مجھے اپنے مال میں سے کچھ عطیہ دیا۔ میری ماں عمرة بنت رواحہ کہنے لگیں: ''میں اس عطیے پر اس وقت تک راضی نہ ہوں گی جب تک آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ نہ کرلیا جائے۔'' میرے والد نے آپؐ سے درخواست کی۔ آپؐ اس عطیے کے گواہ رہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: ''کیا نعمان کے اور بھی بھائی ہیں؟'' میرے والد نے جواب دیا: ہاں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''کیا ان میں سے ہر ایک کو اتنا عطیہ دیا ہے؟'' میرے والد نے نفی میں جواب دیا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پھر یہ بات درست نہیں ہے۔ اس عطیے کو واپس لو۔ میں صرف حق بات کا گواہ بن سکتا ہوں۔ مجھے ظلم پر گواہ مت بناؤ۔ میرے سوا کسی اور سے ایسی گواہی لو۔ اللہ سے ڈرو، اور اپنی اولاد کے ساتھ عدل کرو۔ تیری اولاد کا یہ تجھ پر حق ہے کہ تو ان کے مابین عدل و انصاف سے کام لے۔ جیسا کہ ان کا فرض ہے کہ وہ تیرے ساتھ مساوی حسنِ سلوک کریں۔ کیا تجھے یہ بات پسند ہے کہ

وہ تیرے ساتھ مساوی حسنِ سلوک کریں؟" اس نے جواب دیا: "بے شک۔" آپؐ نے فرمایا: "تو عطیات میں ناانصافی نہیں چل سکتی۔" آپؐ نے حکم دیا کہ یہ عطیہ واپس لیا جائے۔ (بخاری اور دوسری احادیث میں یہ روایت الفاظ کے اختلاف کے ساتھ مروی ہے)۔

دوسری طرف اسلام اولاد کو بھی یہ تعلیم دیتا ہے کہ والدین سے حسن سلوک کریں اور ان کے مرتبے اور مقام کا لحاظ کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

**وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۔ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا۔**

(بنی اسرائیل: 17-23-24)

"تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو مگر صرف اس کی۔ والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ اگر تمہارے پاس ان میں سے کوئی ایک، یا دونوں، بوڑھے ہو کر رہیں تو انہیں اُف تک نہ کہو۔ نہ انہیں جھڑک کر جواب دو، بلکہ ان سے احترام کے ساتھ بات کرو اور نرمی اور رحم کے ساتھ ان کے سامنے جھک کر رہو اور دعا کرو کہ پروردگار ان پر رحم فرما جس طرح انہوں نے رحمت و شفقت کے ساتھ مجھے بچپن میں پالا تھا۔

ماں چونکہ بچے کی پیدائش اور تربیت میں نسبتاً زیادہ تکالیف اُٹھاتی ہے اس لئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ماں کی خدمت اور دیکھ بھال کی زیادہ تاکید فرمائی ہے۔ یہ روایت سب لوگ جانتے ہیں کہ **اَلْجَنَّةُ تَحْتَ اَقْدَامِ الْاُمَّهَاتِ۔** (مسند الشہاب القضاعی، حدیث: 113) "جنت ماں کے پاؤں کے نیچے ہے۔"

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اس نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری حسن معاشرت کا کون انسان سب سے زیادہ مستحق ہے؟ آپؐ نے فرمایا: "تیری ماں۔ اس نے پوچھا: پھر؟ آپؐ نے فرمایا: تیری ماں۔ اس نے پوچھا: پھر؟ آپؐ نے فرمایا: تیری ماں۔ چوتھی مرتبہ اس نے یہی سوال کیا تو آپؐ نے فرمایا: تیرا باپ۔"

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "خاک آلود ہو اس کی ناک، خاک آلود ہو اس کی ناک، خاک آلود ہو اس کی ناک جس نے اپنے والدین کو یا دونوں میں سے کسی کو بڑھاپے میں پایا اور پھر وہ جنت میں داخل نہ ہو۔"

ایک شخص آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپؐ سے جہاد میں شرکت کی اجازت مانگی۔ آپؐ نے فرمایا: "کیا تمہارے والدین موجود ہیں؟" اس نے کہا: جی ہاں۔ آپؐ نے فرمایا: انہیں کی خدمت میں رہ کر جہاد کرو۔"

ایک اور آدمی نے آپؐ سے عرض کیا: کیا والدین کی موت کے بعد بھی کوئی نیکی ہے جو ان کے حق میں کرسکتا ہوں؟ آپؐ نے فرمایا: "ہاں، ان کے حق میں دعا کرنا، ان کے لئے اللہ سے مغفرت طلب کرنا، اور ان کے بعد ان سے گئے ہوئے عہد کو نافذ کرنا، اور ان کے ذریعے جو صلہ رحمی کی جاتی تھی وہ صلہ رحمی کرنا، اور ان کے دوستوں کی عزت افزائی کرنا۔"

موجودہ دور میں بیٹے اپنے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک اور وسعتِ ظرف سے پیش نہیں آتے ہیں تو ان کی وجہ صرف یہ ہے کہ والدین اپنی اولاد کی صحیح تعلیم و تربیت نہیں کرتے۔ چنانچہ ان کے درمیان روحانی اقدار کے بجائے مادّی اقدار کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ اور بیٹے کے لئے دولت دنیا اس قدر عزیز ہو جاتی ہے کہ وہ بسا اوقات والدین کے حقوق پامال کر جاتا ہے، مگر اس سلسلے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم بالکل مختلف ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شخص آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اپنے والد کے بارے میں آ کر جھگڑا کرنے لگا کہ میرے والد کے ذمے میرا قرض ہے مگر وہ اس کو ادا نہیں کر رہا ہے۔ آپؐ نے

اسے نصیحت فرمائی: انت و مالك لابيك۔
(ابن ماجہ، کتاب التجارات، حدیث: 2288) "تو اور تیرا مال دونوں تیرے باپ کی ملک ہیں۔"

اس نصیحت میں آپؐ نے اس آدمی کو فوراً اس کا یہ مقام یاد دلا دیا کہ تو جس انسان کے بارے میں قرض نہ دینے کی شکایت کر رہا ہے وہ عام انسان نہیں ہے، وہ تیرا باپ ہے۔ اس نے تمہیں پالا پوسا اور تمہیں اس قابل بنایا کہ زندگی کے کارزار میں اپنے لئے راستے ہموار کرو۔ اس لئے تمہارا مال جس کی ملکیت کا تم دعویٰ کر رہے ہو بالواسطہ تمہارے باپ کی ملکیت ہے۔ تم اپنے باپ کا ایک جزو ہو اور بالتبع تمہاری ہر چیز تمہارے باپ کے زیر تصرف ہے۔

ایک اور روایت کے اندر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید واضح فرمایا کہ اولاد کو اپنے والدین کے بارے میں کیا رویہ اختیار کرنا چاہئے؟ ابوداؤد اور ابن ماجہ میں مروی ہے کہ ایک آدمی آنحضورؐ سے آکر کہنے لگا: میرے پاس کچھ مال ہے اور میرا باپ میرے مال کا بڑا حاجت مند ہے۔ میں کیا کروں؟ آپؐ نے فرمایا: انت و مالك لوالدك۔ (تو اور تیرا مال دونوں والد کے لئے ہو)۔ آپؐ نے اسے یہ تلقین کرنے کے بعد والدین کو اس امر کی طرف توجہ دلائی کہ: ان اولادکم من اطیب کسبکم فکلوا من کسب اولادکم۔ (ابوداؤد، کتاب البیوع، حدیث: 3080) "تمہاری اولاد تمہاری بہترین کمائی ہے۔ تم اپنی اولاد کی کمائی میں سے کھاؤ۔"

یہ تو عام معاملات اور لین دین کی بات تھی۔ لیکن جس طرح باپ پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اولاد کی صحیح تربیت کرے، اسے دین کا رسیا اور اخلاق کا کھرا انسان بنائے، اسی طرح بالغ اور باشعور اولاد پر بھی یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ اگر اس کے والدین دین میں کمزور ہوں تو وہ انہیں دین کا پابند ہونے کی نصیحت کرے۔ اور خوش اسلوبی اور نرم گفتاری سے انہیں دین کی طرف راغب کرے، اور دین کا کام کرنے والوں سے انہیں تعاون کا مشورہ دے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابوطالب کو آخر وقت تک ایمان کی دعوت دیتے رہے۔

وہ گھرانا بڑا خوش قسمت اور گہوارۂ سعادت ہوتا ہے جہاں والدین بھی دین کے پابند ہوں اور اولاد بھی ان کے نقش قدم پر چل رہی ہو۔ لیکن اگر دونوں میں اختلاف ہو تو زندگی گھریلو سکون سے ناآشنا ہو جاتی ہے۔ اگر والدین دین کی اتباع نہ کریں تو پھر اولاد کا طریقہ یہ ہونا چاہئے کہ دنیا کے معاملات میں اولاد معروف طریقے سے والدین کا ساتھ دیتی رہے، مگر ان کی کسی ایسی بات کو قبول کرنے سے صاف معذرت کر دے جو خدا اور رسولؐ کے احکام کے خلاف اور دین کے بنیادی تقاضوں کے منافی ہو۔ □□


# ضروری اعلان

## محترم قارئین کرام!

جن لوگوں کو دفتر کی جانب سے بقایاجات کے خطوط روانہ کئے گئے ہیں، ان سے گذارش ہے کہ جلد از جلد بقایا رقم ادا فرما دیں، اس وقت ادارے کو رقم کی سخت ضرورت ہے نیز اگر رسالہ جاری رکھنے کا ارادہ نہ ہو، مطلع کر دیں تاکہ ادارے کا مزید نقصان نہ ہو۔

جو حضرات دفتر سے معلومات حاصل کرنا چاہتے ہوں وہ ۲ / بجے سے شام ۵ / بجے تک فون پر رابطہ کر سکتے ہیں۔ جمعہ کے دن دفتر بند رہتا ہے۔

دفتر کھلنے کا وقت ۲ / بجے سے ۵ / بجے تک ہے، دیگر اوقات میں فون نہ کریں۔

رابطہ کیلئے : Mobile : 9415911511

مولانا ابو عمار زاہد الراشدی

# حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منافقین کے ساتھ طرز عمل

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے اور اسے اپنا مرکز بنایا تو یہود اور مشرکین کے مختلف قبائل کے ساتھ ساتھ آپ کو ایک ایسے طبقہ سے بھی واسطہ پڑا جو کلمہ پڑھ کر بظاہر مسلمانوں میں شامل ہو گیا تھا لیکن دل سے مسلمان نہیں ہوا تھا، اور اس کی تمام تر ہمدردیاں اور معاونتیں کفار کے ساتھ تھیں جن کا تذکرہ قرآن کریم میں مختلف مقامات پر موجود ہے۔

غزوہ احد میں یہ لوگ تین سو کی تعداد میں عبداللہ بن ابی کی سرکردگی میں میدان چھوڑ کر واپس چلے گئے تھے جس سے آبادی میں اس وقت ان کا تناسب کا اندازہ ہوتا ہے۔ پھر مختلف اوقات میں ان کی شرارتیں اور منافقانہ حرکات سامنے آتی رہیں جن میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر جھوٹی تہمت بھی شامل ہے۔ حتیٰ کہ ان کے اس شرپسندانہ الزام کی صفائی قرآن کریم نے پیش کی۔

ایک موقع پر انہوں نے مل بیٹھ کر یہ سازش بھی کی کہ وہ مدینہ منورہ سے مہاجرین کو واپس چلے جانے پر مجبور کر دیں گے۔ اس سازش کی خبر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت زید بن ارقمؓ نے دی تو ان لوگوں نے قسمیں اٹھا اٹھا کر حضورؐ کے سامنے اپنی سچائی کا اتنی شدت سے اظہار کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن ارقمؓ کو ڈانٹ دیا۔ اس پر قرآن کریم کی سورۃ ''المنافقون'' نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ زید بن ارقمؓ کی رپورٹ سچی ہے اور یہ لوگ جھوٹی قسمیں اٹھا رہے ہیں۔ ایک مرحلہ میں ان منافقین نے مدینہ منورہ میں ''مسجد'' کے نام سے اڈہ قائم کر لیا جسے قرآن کریم نے مسجد ضرار سے تعبیر کر کے رسول اکرم کو وہاں جانے سے منع کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مسجد کے نام پر قائم ہونے والا یہ مرکز مسلمانوں میں تفریق پیدا کرنے کے لئے اور دشمنوں کو گھات فراہم کرنے کے لئے بنایا گیا ہے، چنانچہ حضورؐ نے اسے مسمار کرنے کا حکم دے دیا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سالہ مدنی زندگی کے دوران منافقین کی اس قسم کی شرارتیں اور سازشیں عام رہیں جن کا قرآن کریم نے ذکر کیا ہے اور احادیث میں بھی ان کی بہت سی تفصیلات مذکور ہیں۔ جب کہ قرآن کریم نے **وماھم بمؤمنین** اور **انھم لکاذبون** کہہ کر واضح طور پر کہہ دیا کہ یہ مسلمان نہیں ہے اور ان کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ حتیٰ کہ ان سے بچ کر رہنے کے ساتھ ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سورۃ التحریم میں یہ کہہ کر ان کے خلاف سخت جہاد کرنے کا حکم بھی دیا گیا "**جاھد الکفار و المنافقین واغلظ علیھم**" کہ ان کے ساتھ جہاد کریں اور ان پر سختی کریں۔

لیکن یہ بات توجہ طلب ہے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کے خلاف ''جہاد'' کا کونسا طریقہ کار اختیار کیا؟ یہ لوگ مدینہ منورہ میں مسلمانوں کے ساتھ رہے، مسجد نبویؐ میں نمازیں پڑھتے تھے، حضورؐ کے ساتھ غزوات میں شریک ہوتے تھے، اور معاشرتی زندگی میں صحابہ کرامؓ کے ساتھ پوری طرح شریک کار رہے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے کسی کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا، بلکہ حضرت عمرؓ اور حضرت خالد بن ولیدؓ نے بعض منافقین کو قتل کرنے کی اجازت مانگی مگر آپؐ نے اجازت دینے سے صاف انکار کردیا۔اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ یہ بظاہر کلمہ پڑھتے ہیں اس لئے انہیں قتل کرنے سے دنیا والوں کو یہ کہنے کا موقع ملے گا کہ محمدؐ اپنے کلمہ گو ساتھیوں کو بھی قتل کرنے لگے ہیں۔ان میں سے کسی کو قتل کرنا تو درکنار حضورؐ نے ایک درجن سے زائد منافقین کے نام ظاہر کرنے سے انکار کردیا۔ جنہوں نے ایک سفر سے واپسی پر آپؐ کو شہید کرنے کے لئے ویرانے میں گھات لگائی تھی اور ننگی تلواروں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے آخری رسولؐ کو گھیرے میں لے لیا تھا۔ان کا یہ حملہ ناکام ہوا مگر حضورؐ نے ان سب کو پہچان لیا تھا اور اپنے ساتھی حضرت حذیفہ بن الیمانؓ کو اس شرط پر سب کے نام بتا بھی دیئے تھے کہ وہ کسی اور کو ان میں سے کسی کا نام نہیں بتائیں گے۔اسی وجہ سے بہت سے لوگوں بالخصوص حضرت عمرؓ کے شدید اصرار کے باوجود انہوں نے زندگی بھر ان میں سے کسی کا نام افشا نہیں کیا۔

یہ جناب نبی اکرمؐ کی حمت عملی تھی کہ منافقین کی تمام تر شرارتوں اور سازشوں کے باوجود ان کے خلاف ''جہاد اور سختی'' کے قرآنی حکم کی تعمیل کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تدبر اور حکمت کا راستہ اختیار کیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مدینہ منورہ میں کوئی معاشرتی خلفشار پیدا نہیں ہوا اور منافقین رفتہ رفتہ بے اثر ہوکر سوسائٹی میں تحلیل ہوتے چلے گئے۔حتی کہ خلفاء راشدینؓ کے دور میں ایک طبقہ کے طور پر ان کا کوئی وجود نہیں پایا جاتا تھا اور وہ نسیاً منسیاً ہو کر رہ گئے تھے۔

منافقین کے ساتھ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکیمانہ طرز عمل سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ جہاد صرف لڑنے کا نام نہیں بلکہ حکمت عملی کے ساتھ دشمن کو ناکام بنا دینا بھی جہاد کہلاتا ہے اور کھلے کافروں کے ساتھ جو طریقے اختیار کئے جاتے ہیں ان کا ''کلمہ گو کافروں'' کے ساتھ اختیار کرنا نہ صرف یہ کہ ضروری نہیں بلکہ یہ بات نقصان دہ اور اسلام کی دعوت و تبلیغ میں رکاوٹ بھی بن جاتی ہے۔اس لئے آج کے حالات میں ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ سے راہنمائی حاصل کرتے ہوئے ان معاملات پر اپنے طرز عمل کا از سر نو جائزہ لینا چاہئے۔

○○○


# مطبوعات

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ندوۃ العلماء لکھنؤ

| نام کتاب | قیمت |
|---|---|
| تاریخ دعوت وعزیمت ۹ (جلدیں) | 2800/- |
| Saviours of Islamic Spirit | 630/- |
| Tafisr-ul-Qur`an (1-4) | 1050/- |
| نبی رحمت (اردو) | 400/- |
| نبی رحمت (ہندی) | 250/- |

| | |
|---|---|
| نبی رحمت (انگریزی) | 250/- |
| رہبر انسانیت (اردو) | 260/- |
| رہبر انسانیت (ہندی) | 250/- |
| رہبر انسانیت (انگریزی) | 250/- |
| کل میزان | 6140/- |
| خصوصی رعایت کے بعد صرف | 3000/- |

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام سے حاصل کر سکتے ہیں۔

Academy of Islamic Research & Publications
Nadwatul Ulama, Lucknow
Phone : 0522-2741539, Mobile : 9889378176

A/c No. 10863759700, State Bank of India
Main Branch Lucknow. IFS Code. SBIN0000125

# اسلام کا عائلی نظام

# انسانیت کیلئے رحمت ہے

محمد صابر حسین ندوی

انسانی دنیا کے عروج وزوال کی تاریخ اور سربلندی وسرفرازی اور غلامی وقدم بوسی کی داستان، حوادث وواقعات اور چیلنجز کی کہانیوں سے لے کر چمن انسانی کا گلہائے سرسبد ہوجانے تک اپنے آپ میں عجب نئے رنگی رکھتا ہے، انسانی کشتی نے وہ دور بھی دیکھا جب طغیانی سمندروں کے ٹھاٹھے مارتے موجوں نے اسے آن کی آن غرق کردینے کو بیتاب تھا؛ تو ہیں وہ زمانہ بھی پایا جب افق آسمانی نے سب سے متبرک روحوں اور سب سے پاکباز جانوں اور "انی اعلم مالا تعلمون" کی مصداق تھے، عموماً یہ وہ عرصہ ہوا کرتا تھا جن میں انبیائے کرام کی بعثت ہوتی اور ان کا دعوتی مشن اپنے منصوبے کو پہونچ جاتا تھا، اگر ایسا نہ ہوتا تو پوری انسانیت جاہلیت وحماقت، ظلم وجور اور آپسی نفرت وحسد اور خود کی حقارت وتذلیل اور دوسروں کے پیروں کی گر دیا اپنے مالکوں کے مفاد وخواہش کی تکمیل کیلئے جانور یا اس سے بدتر حالت میں زندگی گزارا کرتے تھے، ان کا معاشرہ میل جول، آپسی رواداری، محبت وشفقت یا کہئے کہ انسانیت ومروت سے کوسوں دور ہوتا تھا، ان کا کمزور طاقتوروں کا شکار ہوتے، مزدور امیروں کے زرخرید غلام سے کم نہیں ہوتے، عورتیں بازاروں کی زینت، محفلوں اور مردوں کی تسکین کا سامان بلکہ انتہا تو یہ ہوتی تھی کہ وہ اپنے وجود وحیثیت کے اعتبار سے میراث میں منتقل ہونے والے ترکہ کے مثل ہوتیں، بچوں پر ظلم، بچیوں کے ساتھ ناانصافی کرتے ہوئے انہیں زندہ درگور کردینا اور اس سلسلہ میں اسکی معصومیت ورافت کو تہ تیغ کردینا ہی ان کا مشغلہ رہ گیا تھا، ایسے میں ان درندہ صفت انسانوں سے خاندانی نظام یا کسی عائلی سسٹم کی توقع سراب یا "لیت ارجع الشاب" کے مثل ہے، فرد وجماعت اور حکمراں ہر ایک کی زندگی کسی ایک رخ پر ہوتی تھی؛ ورنہ وہ ایک ایسا رخ ہوتا جس کی نہ کوئی منزل نہ کوئی ٹھکانا ہوتا، قوم کا ضعیف طبقہ کولہوں کے بیل کے مثل ایک ہی سمت پر چکر لگانے اور دوسروں کی مصلحتوں کی برآری کیلئے اپنی زندگی گنوا دیا کرتا، اور اگر کبھی تھک جاتا تو خمار وشراب کے قطروں سے روح وجان کی سیرابی میں سرگرداں یا کسی اجنبیہ کے دولت کدہ کی زینت بن جاتا، حضرت مولانا سیدی ابوالحسن علی ندویؒ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر" میں لکھتے ہیں:

"-زمانہ جاہلیت کے-معاشرے پر نظر ڈالئے تو دنیا ہی کا مرقع نظر آتا ہے، ہر چیز غلط شکل یا غلط جگہ پر نظر آئے گی، اس معاشرے میں بھیڑئے کو گلہ کی نگہبانی اور ظالم فریق کو فصل خصومات کا کام سپرد کردیا گیا تھا، اس سوسائٹی میں مجرم خوش قسمت اور آسودہ تھے، اور نیک سیرت زحمت وکلفت میں مبتلا تھے، اس معاشرے میں اخلاق کی پاکیزگی اور نیک چلنی سے بڑھ کر کوئی جرم اور حماقت اور بداخلاقی اور بداطواری سے بڑھ کر کوئی ہنر اور قابلیت کی بات نہیں سمجھی جاتی تھی -اس معاشرے کے عادات اور اطوار ہلاکت آفرین تھے، جو دنیا کو ہلاکت کے غار میں ڈھکیل رہے تھے، شراب نوشی، بدمستی، بداخلاقی، جنون، سودخوری لوٹ کھسوٹ اور مال کی محبت بولہوسی اور جوع البقر تک پہنچ گئی تھی، سنگدلی اور بے رحمی اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ لڑکیاں زندہ دفن کردی جاتی تھیں

اورلڑکے بچپن میں قتل کردئے جاتے تھے ،بادشاہ اللہ کے مال کو ہاتھ کا میل اور اللہ کے بندوں کو خانہ زاد سمجھتے تھے، عالم و درویش خدا بن گئے تھے، لوگوں کا مال کھاتے اڑاتے اور خدا کے راستے سے خدا کے بندوں کو روکنے کے سوا ان کا کچھ مشغلہ نہ تھا۔

جو قابلیتیں انسان کو اللہ تعالی کی جانب سے عطا کی گئی تھیں ،وہ بڑی بے دردی سے ضائع کی جارہی تھیں ،یا بے محل خرچ ہورہی تھیں ،نہ ان سے فائدہ اٹھایا گیا تھا اور نہ ان کو صحیح رخ پر لگایا گیا تھا، شجاعت اور بہادری نے ظلم و زبردستی، فیاضی و دریادلی نے اسراف اور فضول خرچی، خودداری اور غیرت نے جاہلی حمیت، ذہانت و ذکاوت نے دھوکہ بازی اور حیلہ سازی کی شکل اختیار کرلی تھی، عقل کا کام صرف اتنا رہ گیا تھا کہ جرائم کے نئے نئے طریقے اور خواہشات کی تسکین کیلئے نئے نئے راستے پیدا کرے" (ص: ۸۷۔۸۸) اس زمانے میں دو صنفوں پر سب سے زیادہ ظلم و جور ہوا کرتا تھا یعنی غلام اور عورت، حضرت مولانا برہان الدین صاحب مدظلہ العالی نے اپنی معرکہ آراء کتاب "معاشرتی مسائل دین فطرت کی روشنی میں" عورتوں پر ہونے والے مظالم اور تمام مذاہب میں ان کی حیثیتوں کا موازنہ کیا ہے، عیسائی، یونانی اور رومی تہذیب نیز ہندو اور بودھ دھرم کا بھی تذکرہ کیا ہے، جنہیں پڑھ کر جبین انسانیت عرق آلود ہوجائے، ایک مقام پر مشہور عیسائی انگریز فلسفی "ہربرٹ سپنسر" کا اقتباس نقل کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: "گیارہویں اور پندرہویں صدی کے دوران (یعنی اسلام کے ظہور کے آٹھ نو سو سال بعد بھی) انگلستان میں عام طور پر بیویاں فروخت کی جاتی تھیں ،گیارہویں صدی کے آخر میں عیسائی مذہبی عدالتوں نے ایک قانون کو رواج دیا، جس میں شوہر کو یہ حق دیا گیا تھا کہ وہ اپنی بیوی کسی دوسرے شخص کو عاریۃ دے سکتا ہے، جتنی مدت کیلئے وہ چاہے" (ص: ۷۰، بحوالہ: المرأۃ بین الفقہ والقانون: ۲۱۱)۔

انسانیت کے انہی پرسوز و جاں سوز اور خاندانی و عائلی نظام کی بدحالی و بدنظمی اور پراگندگی کے دور میں اللہ رب العزت نے شریعت اسلامی اور آفاقی تعلیمات اور فطری تقاضوں کی ہم آہنگی و معاشرتی زندگی کی سوغات لے کر حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا؛ جنہوں نے قرآن وحدیث اور اخلاق عالی ،جہد و جہاد ،عمل پیہم اور ایثار و استقامت کے ساتھ دین کی تبلیغ و اشاعت اور "شعارنا الوحید الی اللہ من جدید" کا نعرہ بلند کیا ،حقوق کی بازیابی، معاشرتی تشکیل اور خاندانی خدو خال کی بحالی پر زور دیتے ہوئے عورتوں، بچوں اور بزرگوں کی عظمت و وقار اور محبت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی تلقین کرتے ہوئے، موت کے بعد ایک ابدی زندگی اور اس کے اندر ہر قسم کی نعمتوں و آسائشوں کی بشارت دی، اس سلسلہ میں صبر و تحمل، پاکدامنی و پاکبازی، نکاح کرنے اور اسے زیادہ سے زیادہ رواج دینے پر زور دیا، بچوں کو "ریحان من الجنۃ" قرار دیا، ماں، بہن اور اور بیوی کی صورت میں عورتوں کو فرش سے عرش تک پہونچادیا، ان کی تکریم میں جنتوں کو ان کی قدموں میں رکھ دیا، اسی طرح آپسی معاملات میں عفو و درگزری کرنے ایک دوسرے کو برداشت کرنے اور معاف کرنے کو ایمانی شعار بتلاتے ہوئے بہتر سے بہتر طریقے پر اس کی تشریح و توضیح کی۔

واقعہ یہ ہے کہ آپ کو قرآن کریم کا تحفہ اور حکمت یعنی **"ماینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی"** کے کل مجموعہ پر اگر غور کیا جائے تو جس قدر ان میں اجتماعیت و معاشرت کی اہمیت اسکی بقا و ضرورت اور اس کے تئیں اخلاص و قدر کا تذکرہ ملتا ہے؛ شاید اتنی کثرت سے کسی دوسرے شعبہ کا ذکر نہیں، قرآن کریم میں سورہ نساء، النور اور بنی اسرائیل جیسی سورتوں کے علاوہ متعدد آیات کا گلدستہ انہی دروس پر مشتمل ہے ،جن کے اندر مخدومی حضرت مولانا واضح رشید حسنی ندوی دامت برکاتہم کی زبانی: "جس میں صرف خدائے وحدہ لاشریک لہ کی پرستش ہو اور پھر اس کے ذریعہ سے اس میں اجتماعی زندگی کی خوبیاں؛ باہمی تعاون، یکجہتی، رواداری،

ہمدردی، اخوت وبھائی چارگی اور الفت ومحبت کی جلوہ گری ہو ،لیکن اسکے ساتھ انسان کی ذاتی صلاحیتیں اور شخصی خصوصیات مجروح نہ ہوں" (نقوش فکر ادب:۵۱)، اس سلسلہ میں اگر صرف سورہ بنی اسرائیل کی ۲۳ تا آیت ۳۹ کو بھی مدنظر رکھا جائے تو ایک عمدہ اور مثالی معاشرہ وجود پذیر ہوسکتا ہے جو نہ صرف ملک یاقوم بلکہ پوری انسانیت کیلئے رحمت ثابت ہوگا،اسی طرح قرآن کریم نے ایک طرف "**وعاشروهن بالمعروف**" (نساء:۱۹/۴)،اور "**فامساك بمعروف أوتسريح باحسان**" (بقرۃ:۲۲۹) کہہ کر ایک صالح معاشرہ کی تشکیل کی طرف رہنمائی کی تو دوسری طرف عورتوں کی عزت وتمکنت کا اعلان فرمایا اور یہاں تک حکم ہوا کہ عورتوں کو معروف طریقے کے مطابق وہی حقوق حاصل ہیں، جیسے مردوں کو ان پر حاصل ہیں "**ولهن مثل الذي عليهن**" (بقرۃ:۲/۲۲۸)، چنانچہ قرآن کریم کی یہی وہ تاثیر تھی اور علم کا وہ خزانہ تھا جس نے عرب کی عربیت اور ان کی نخوت وجاہلیت کو تاریخ کے سنہرے باب میں تبدیل کردیا، پھر عالم یہ تھا کہ وہ پوری انسانیت کو ایک کنبہ اور خاندان تسلیم کرتے تھے؛ کیونکہ ان کے نبیؐ نے فرمایا تھا "**الخلق عيال الله**" (شعب الایمان: ۴۹۲۱)، اسی طرح حجۃ الوداع کے موقع پر بھی آپؐ نے یہ پیغام دے دیا تھا: لوگو! سن لو تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک ہے، سن لو! کسی عربی کو کسی غیر عربی پر یا کسی گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں ہے، اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ باعزت وافضل وہ ہے جو اللہ سے سب سے زیادہ ڈرنے والا ہو (شعب الایمان:۴۹۲۱)۔

کسی بھی معاشرہ وسوسائٹی کی تشکیل میں اخلاقی تعلیمات اور انس ومحبت اور نرم مزاجی کا وافر حصہ ہوتا ہے، یہ ایک ایسا عنصر ہے جس کے فقدان سے گھروں میں آگ لگ جاتی ہے اور خاندانی نظام درہم برہم ہوکر رہ جاتا ہے ،زمانہ جاہلیت میں بھی جہاں ایک طرف سینکڑوں برائیاں تھیں تو وہیں انسانوں کے دلوں میں قساوت وسختی اور رفق وگداز سے دوری تھی ،ان کے سینوں میں دلوں کی دھڑکنیں نہیں بلکہ پتھروں اور بادلوں کی کڑکڑاہٹ ہوتی ،یا برف کی وہ سل ہوتی جو کسی بھی اعتبار سے پگھلنے کو تیار نہ ہو؛ لیکن جیسا کہ حضور اکرمؐ کی تعلیمات نبوی میں انسانی معاشرہ کی بقا وتحفظ کیلئے رنگہا رنگ کے نسخہ واکسیر اور قواعد کا ذخیرہ دریافت ہے ،انہیں میں یہ بات بھی ہے کہ آپؐ نے نرم خوئی ورفق کی تلقین فرمائی اور مردوں کو خواہ "قوامہ" کی حیثیت دی گئی ہو؛ لیکن انہیں یہ بھی باور کرایا کہ اس کا مطلب ترش روئی وخشک مزاجی اور بدخلقی نہیں ہے، علامہ ابی عبداللہ مصطفیٰ بن العدوی نے اپنی کتاب "**فقه التعامل بين الزوجين وقبسات من بيت النبوة**" کے اندر اس سلسلہ میں بڑی شرح وبسط کے ساتھ گفتگو کی ہے اور خانگی زندگی کو بہتر بنانے کے لئے حضور اکرم ﷺ کی مختلف روایتوں کو نقل فرمایا ہے۔فاضل موصوف "**الوصلة بالنساء**" کے تحت نقل کرتے ہیں "آدمی کو چاہئے کہ وہ حسن اخلاق اور رفق ونرمی کے زیور سے آراستہ ہو چنانچہ یہ نبی اکرمؐ جو سراپا اخلاق کریمانہ کے پیکر ہیں، اس کے باوجود کہ امت کو آپ کی اطاعت وفرماں برداری کا حکم ہے ،اللہ رب العزت نے آپ کو نرمی کا حکم دیا اور مؤمنین کیلئے اپنے بازو دراز کردینے کی تلقین کی فرمائی: "**فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنتَ لَهُمْ، وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ، فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ.**" (آل عمران:۱۵۹)، ایک اور مقام پر ارشاد ہے: "**واخفض جناحك لمن اتبعك من المؤمنين**" (الشعراء:۲۱۵)، حضور اکرم ﷺ نے بھی ارشاد فرمایا: "**عليك بالرفق**" (مسلم: ۲۵۹۴)، نرم خوئی کو لازم کرلو، اور اس پر ابھارتے ہوئے ارشاد فرمایا: "**ان الرفق لايكون في شيئي الا زانه ولا ينزع من شئي الا شانه**" (مسلم: ۲۵۹۴) اور فرمایا: "**ان اللّٰه يحب الرفق في لامر كله**" (بخاری؛

۶۰۲۴)، "ویعطی علی الرفق مالا یعطی علی العنف ومالایعطی علی سواه" اور یہاں تک ہے کہ "من یحرم الرفق یحرم الخیر" (مسلم:۲۵۹۳) یعنی انسانی مزاج کیلئے نرم مزاجی ناگزیر ہے، اور اس پر اللہ تعالیٰ وہ مقام عطا فرماتے ہیں اور انعامات عطا فرماتے ہیں جو بدمزاجی اور ترش روئی پر نہیں دیتے، آج عموماً خاندانی نظام کی بدحالی یا ان کا معاشرہ میں پچھڑ جانے میں خصوصاً مردوں کے مزاج کا ترش ہوجانا ہوتا ہے جس سے بسا اوقات خاندان بکھر جاتے ہیں یا پھر آپسی عزت وتکریم کا جنازہ نکل جاتا ہے۔

اسلام کی نظر میں خاندان ومعاشرہ کے کمزوروں اور ضعیفوں کی قدر اتنی ہے کہ اگر ان کے ساتھ ظلم وجور کا معاملہ ہو خواہ وہ کسی بھی خطہ یا کسی ملک ومعاشرہ سے تعلق رکھتے ہوں؛ ان کے حق میں مسلمانوں پر فرض ہوتا ہے کہ ان کی جان وعزت اور امن واماں کا بندوبست کریں ارشاد ربانی ہے "ومالکم لاتقاتلون فی سبیل اللّٰہ والمستضعفین من الرجال والنساء والولدان الذین یقولون ربنا أخرجنا من ھذہ القریۃ الظالم أھلھا واجعل لنا من لدنك ولیا واجعل لنا من لدنك نصیراً" (نساء:۷۵) علامہ وھبہ زحیلی نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے بہت سے مفید نکات پر بحث کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ آج بھی اس کا حکم باقی ہے اور یہ مسلمان ومنافقین کے درمیان امتیاز کی ایک کڑی ہے نیز یہ ایک ایسا عمل ہے جس پر اللہ نے نصرت وفتح کی ضمانت دی ہے۔ (دیکھئے: التفسیر المنیر ـ ۱۵۹/۵)، واقعہ یہ ہے کہ معاشرتی ڈھانچہ میں اکثر سب سے مظلوم اور بے بس عورتوں کا کردار رہا ہے؛ لیکن اسلام نے انہیں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں اور مردوں کیلئے باعث رحمت وسکوں قرار دیا ہے ارشاد ہے: "ومن آیاتہ أن خلق لکم من أنفسکم أزواجا لتسکنوا الیھا وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ" (روم:۲۱)، اور فرمایا: "ھو الذی خلقکم من نفس واحدۃ وجعل منھا زوجا لیسکن الیھا" (اعراف:۱۸۹)، حضور اکرم ﷺ نے نیک عورتوں کو دنیا ومافیھا سے بہتر قرار دیا: "الدنیا متاع وخیر متاع الدنیا امرأۃ الصالحۃ" (مسلم:۶۵۶/۳)، اسی لئے مردوں کو بھی یہ تعلیم دی گئی کہ ان کے ساتھ خیر کا معاملہ کریں "أکمل المؤمنین ایمان خلقا ،وخیارکم خیارکم لنسائھم" (مسلم:۴۷۲/۲)، اور ایک جگہ پر ایمان باللہ اور ایمان بالآخرہ سے منسلک کرتے ہوئے نیز ان کو ان ہی کی فطرت کا خیال کرتے وہوئے؛ حسن سلوک کی وصیت کی گئی: "من کان یومن باللہ والیوم الآخر فلایوذی جارہ ..... واستوصوابالنساء خیرا فانھن خلقن من ضلع وان اعوج شئی فی الضلع اعلاہ، فان ذھبت تقیمہ کسرتہ، وان ترکتہ لم یزل أعوج فاستوصوابالنساء خیراً" (ترمذی:۱۱۶۳)۔ یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن کثیرؒ نے فرمان الٰہی "فان أطعنکم فلاتبغوا علیھن سبیلا ان اللّٰہ کان علیا کبیراً" (نساء:۳۴) کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: ''جب اہلیہ تمام مباحات الٰہی میں اطاعت کا ثبوت دے ایسے میں اسے کسی قسم کی گزند پہنچانا روا نہیں، نہ اسے مار سکتا ہے اور نہ ہی اسے چھوڑ سکتا ہے، اسی لئے اللہ نے ''علیا کبیرا'' کے ذریعہ ایسے مردوں کی تہدید کی ہے جو بلاکسی مناسب وجہ کہ عورتوں پر ظلم کرتے ہیں، انہیں جان لینا چاہئے کہ اللہ بہت بلند وبرتر ہے'' (دیکھئے: تفسیر ابن کثیر ۲۵۶/۲)، علامہ ابن جریر طبری نے بھی اسی طرح کی تفسیر کی ہے لیکن اس میں یہ بھی اضافہ کیا ہے ''اگر عورت اس کی اطاعت کرتی ہو لیکن اس سے محبت نہ کرتی ہو تو اسے اسکا مکلف کرتے ہوئے اذیت نہ دے؛ کیونکہ وہ اس کے ہاتھوں میں نہیں'' (دیکھئے: تفسیر طبری ۶۰/۴)۔

قدیم زمانوں میں عورتوں کے ساتھ بربریت کا عالم یہ بھی تھا کہ انہیں میراث میں کوئی حق نہ دیا جاتا تھا لیکن اسلام نے

خاندانی نظام کی بہتری کیلئے ہر ایک کی محنت وکوششوں کو سراہا ہے اور کسی کو بھی ان کے حق سے محروم نہیں کیا، یہی وجہ ہے کہ عورتوں کو بھی حق وراثت سے نوازا گیا، ساتھ ہی ا سے روزی روٹی اور معاش کی تمام تکلیفوں سے دور رکھتے ہوئے ایک ملکہ خانہ کی زندگی عنایت کی گئی اللہ تعالی نے فرمایا:

**"للرجال نصیب مماترك الوالدان والأقربون وللنساء نصیب مماترك الوالدان والاقربون مما قل منه أوكثر نصیباً مفروضاً"**

یعنی بالترتیب والد بھائی اور شوہر کو عورت کے نان ونفقہ کی ذمہ داری سونپی گئی اور اس کے باوجود انہیں جائداد میں حصہ دار بنایا گیا (نساء:۴/۷)، نیز اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے اپنی مقدس کتاب میں عورتوں ہی کو مرکزی عنوان بنا کر سورہ کو موسوم کیا اور اس کے اندر ان کے مسائل کے متعدد پہلوؤں پر گفتگو کی گئی۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام کا عائلی نظام سراپا رحمت اور عین فطرت کے مطابق ہے، کیونکہ اس کا نظریہ اجتماع ومعاشرہ کسی فلسفہ وتھیوری سے شروع نہیں ہوتا، وہ زندگی کو روح اور مادہ کی تفریق کا قائل نہیں، وہ پہاڑوں اور غاروں میں رہبانیت کے نام پر زندگی کھپا دینے کا حکم نہیں دیتا، یا انسان کے زندہ رہنے کی خواہش کو منفی جذبہ قرار نہیں دیتا بلکہ اسے تقدس عطا کرتا ہے، اور اخلاقی ومعاشرتی زندگی کی پرزور حمایت وتبلیغ کا اعلان کرتے ہوئے صاف اس بات کا حامی ہے کہ "رہبانیة لا رہبانیة"، اسلام کا اصل تصور یہ ہے کہ انسان اس حال میں زندگی گزارے جس کو ایک امی شخص نے چودہ سو برس پہلے کہا تھا اور انسانیت کو یہ ہدایت دی تھی جس خلاصہ یہ تھا "میں ایک انسان ہوں، لیکن خدا نے جو اس کائنات کا خالق ہے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اسکا پیغام تم کو پہنچادوں تاکہ تم اس طرز پر زندگی گزارو، جس طرز پر اسے تلقین کی گئی ہے، اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ تم کو اس کا وجود، قدرت اور علم یاد دلاؤں اور تمہارے سامنے زندگی کا نظام رکھوں، اگر تمہیں یہ نصیحت اور یہ نظام منظور ہو تو میری پیروی کرو" اس نقطہ کو ذکر کرتے ہوئے "لیوپولڈ ویس" یعنی محمد اسد جنہوں نے صنم خانہ سے خاصہ خانہ کا سفر کیا تھا لکھتے ہیں: "جس اجتماعی نظام کا نقشہ انہوں پیش کیا وہ صرف حقیقی عظمت کے ساتھ چل سکتا تھا، یہ نظام اس منطقی تمہید کے ساتھ شروع ہوتا ہے کہ انسان ایک حیاتیاتی (بیالوجیکل) عنصر ہے، جو کچھ حیاتیاتی تقاضے رکھتا ہے، اس کے خالق نے اس کو اس طرح پیدا کیا کہ وہ خاندان اور جماعتوں کی شکل میں مل جل کر زندگی گزاریں، تاکہ اس طرح سب مل کر اپنے جسمانی معنوی اور عقلی تقاضوں کو اچھے طریقہ پر پورا کرسکیں، مختصر یہ کہ وہ ایک دوسرے کے تعاون کے محتاج ہیں، اور فرد کی روحانی ترقی (جو دین کا بنیادی مقصد ہے) بڑی حد تک اس بات پر منحصر ہے کہ اس کو ان لوگوں سے ہمت افزائی تائید اور معنوی تعاون حاصل ہو، جن کے درمیان وہ رہتا ہے اور جو خود اس کے تعاون کے محتاج ہیں، یہی وہ اندرونی اعتماد ہے، جس کی وجہ سے اسلام کو سیاسیات واقتصادیات سے کسی صورت علاحدہ نہیں کیا جاسکتا ہے" (طوفان سے ساحل تک:۱۴۷)۔

مصنف مرحوم مزید اس پر روشنی ڈالتے ہوئے آگے لکھتے ہیں: "اس نقطہ نظر سے یہ بات بالکل قدرتی اور منطقی معلوم ہوتی ہے کہ محمد ﷺ نے نبوت کے ۲۳ سال میں صرف روحانی شعبوں کی طرف توجہ نہیں کی، بلکہ انفرادی اور اجتماعی جدوجہد کیلئے ایک مکمل نقشہ بھی دیا، انہوں نے صرف فرد کی اصلاح کا تصور نہیں دیا؛ بلکہ ایک منصف اسلامی معاشرہ کا خاکہ بھی ہم کو دیا جو اس اصلاح کے نتیجہ میں قائم ہونا چاہئے، انہوں نے سیاسی سوسائٹی کے بارے میں اجمالی اشارات دئے اس لئے کہ اسلام کی سیاسی زندگی کی تفصیلات زمانہ پر منحصر ہیں، اور ان میں تبدیلی وتغیر ہوتا رہتا ہے، انفرادی حقوق اور اجتماعی ذمہ داریوں کے شعبہ میں بھی ایک نظام پیش کیا جس نے تاریخی ارتقاء کا پورا لحاظ کیا ہے" (طوفان سے ساحل تک:۱۴۸)۔

(بقیہ......صفحہ......25......پر)

فقہی مسائل

# سوال وجواب

مفتی راشد حسین ندوی

**س** :اگر زید حامد کو پچاس ہزار روپے دے اور اس سے کہے، تم تجارت کرو، اس میں جو نفع ہوگا اس کا تین حصہ کیا جائے گا، دو حصہ تمہارا ہوگا اور ایک حصہ میرا ہوگا، کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

**ج** :اس طرح کرنا جائز ہے کہ ایک کا مال ہو اور دوسرے کی محنت ہو اور نفع میں ہر ایک کا حصہ طے کر دیا جائے، اس کو فقہ میں "مضاربت" کہا جاتا ہے۔(شامی-۴/۵۲۸)

**س** :عورتوں کے سجدہ کرنے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ حدیث کی روشنی میں بتائیں؟ عورت سمٹ کر سجدہ کریں گی یا مردوں کی طرح؟

**ج** :عورتوں کے لئے افضل یہ ہے کہ سجدہ اس طرح کریں کہ رانیں پیٹ سے لگی رہیں، ان کیلئے مردوں کی طرح سجدہ کرنا خلاف اولیٰ ہے، اس سلسلہ میں مرفوع روایت ہے کہ جب عورت سجدہ کرے تو اپنے پیٹ کو دونوں رانوں سے اس طرح ملائے جو اس کیلئے حد درجہ ستر کا باعث ہو۔ "**فاذا سجدت الصقت بطنها على فخذيها كاستر مايكون**۔" (مسند احمد-۳/۳۴۴ دینی مسائل اور ان کا حل-۱۲۵)

**س** :گردن کا مسح کرنا کیسا ہے؟

**ج** :گردن کا مسح کرنا مستحب ہے، یہاں مراد گدی کے نیچے والا حصہ ہے، جہاں تک سینہ سے اوپر والے حصہ کا تعلق ہے جس کو حلق کہتے ہیں تو اس کا مسح کرنا بدعت ہے۔(شامی-۱/۹۲)

**س** :جامع مسجد میں جب صبح کی نماز کا وقت ختم ہو جاتا ہے تو گھنٹی بجائی جاتی ہے، حالانکہ حدیث کے مطابق گھنٹی بجانے میں یہود سے مشابہت ہے تو ایسا کرنا چاہئے یا نہیں؟

**ج** :اس میں یہودیوں سے تشبیہ کی بات تو نہیں ہے، اس لئے کہ مقصد دوسرا ہے اور یہودیوں سے تشبیہ کے طور پر نہیں کیا جاتا لیکن مسجد میں گھنٹہ بجانا بہر حال خلاف اولیٰ ہے، اس لئے کہ مسجد کا مقصد عبادت ہے، اس میں عبادت اور دینی امور ہی جائز ہیں، ایسی چیزیں جو عبادت نہ ہوں، چاہے وہ فی نفسہ جائز ہی کیوں نہ ہوں، مسجد میں ان کو انجام دینے سے منع کیا گیا ہے، مثلاً مسجد کے اندر گمشدہ کے اعلان سے منع کیا گیا۔ (مسلم) اوقات نماز کا بتانا ایک جائز عمل ہے، لیکن مسجد کے مقصد سے الگ ہے، بعض اوقات اس سے مسجد میں عبادت کرنے والوں کے خلل کا بھی اندیشہ ہے۔ اس لئے یہ عمل نامناسب ہے، کرنا ہی ہے تو مسجد سے باہر کیا جائے۔ (مستفاد از کتاب الفتاویٰ-۴/۲۶۹، امداد الفتاویٰ-۲/۷۱۸، ۷۱۹، فتاویٰ رحیمیہ-۶/۱۳۱)۔

**س** :زید نے اپنی بیوی سے کہا: آج سے ہمارا تمہارا ازدواجی تعلق قائم نہیں رہا، اب تم ہمارے نکاح سے الگ ہوگئی ہو، یہ کہہ کر وہ چلا گیا، اب کیا زید کی اس زوجہ سے نکاح یا کسی اور طریقہ سے تعلق کی کوئی صورت ہو سکتی ہے؟

**ج** : صورت مسئولہ میں ایک طلاق بائن پڑ چکی ہے، دونوں اگر رضامند ہوں تو حلالہ کئے بغیر بھی نکاح کر سکتے ہیں۔ لیکن نکاح کرنے کے بعد اب شوہر کو صرف دو طلاقوں کا اختیار رہے گا۔ لہٰذا آئندہ طلاق دینے سے احتیاط برتیں۔(ہندیہ-۱/۳۷۱ و ۳۷۷)

**س** :ایک شوہر نے اپنی بیوی کو پانچ مہینہ پہلے رجسٹرڈ لیٹر کے ذریعہ طلاق نامہ بھیجا تھا تو بیوی نے لینے سے انکار لکھوا کر واپس کر دیا، اس صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں؟

**ج** :شوہر سے زبانی طور سے بھی ثابت معلوم کی گئی، اس کے کہنے کے مطابق اس نے لکھا تھا کہ "میں تم کو طلاق دے رہا ہوں" یہ الفاظ لکھتے ہی شرعی طور پر طلاق واقع ہوگئی۔ خواہ بیوی رجسٹری وصول کرے یا نہ کرے۔(ہندیہ-۱/۳۷۸)

**س** :کیا میت کے اٹھانے کے فوراً بعد وراثت کی تقسیم کرنا ضروری ہے یا تاخیر کر سکتے ہیں؟ اگر تاخیر نہیں کر سکتے تو تاخیر کا گناہ کس پر ہوگا؟

**ج** :اگر سب راضی ہوں تو تقسیم کرنے میں تاخیر کر سکتے ہیں، البتہ تنازعات سے بچنے کے لئے جلدی کرنا مناسب ہوتا ہے، اگر سب تقسیم کا مطالبہ کر رہے تھے، کچھ رکاوٹ ڈال رہے تھے جس کی وجہ سے جھگڑے پیدا ہوئے تو اس کا گناہ رکاوٹ ڈالنے والوں پر ہوگا۔

میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟

# برطانوی رائل ایئر فورس کے چیف پائلٹ انسٹرکٹر کا قبول اسلام

آج دنیا میں مسلمانوں کی قوت بڑے وسیع انداز میں بڑھ رہی ہے اور اسلام یورپ کے دروازے پر دستک دے کر پورے یورپ میں سرایت اور نفوذ کر گیا ہے جس کی وجہ سے یورپین عوام و خواص اسلام کی حقانیت کو جان کر دھڑا دھڑ اسلام قبول کر رہے ہیں۔ مغربی قوتیں اسلام سے شدید خائف ہونے لگی ہیں۔ نائن الیون کے بعد مغربی میڈیا نے اسلام کے خلاف ایک منظم زہریلی مہم چلائی اور مغرب زدہ دانشوروں نے مسلمانوں کو بدنام کرنے کے لئے ہر موقع سے فائدہ اٹھایا اور کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ یہ تمام پروپیگنڈہ صرف اس لئے کیا گیا تاکہ اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کر کے دنیا کو اسلام سے دور رکھا جائے لیکن اس کا نتیجہ بالکل برعکس نکل رہا ہے۔ نائن الیون سے پہلے بھی مغرب کے مادر پدر آزاد معاشرے سے تنگ آ کر اور اسلام کی زریں تعلیمات سے متاثر ہو کر بعض لوگ مسلمان ہو رہے تھے۔ مگر نائن الیون کے بعد اسلام امریکہ میں زیادہ پھیلا، برطانیہ و یورپ میں اسلام سیون، سیون کے بعد زیادہ تیزی سے پھیلنا شروع ہوا اور اس دوران اسلام کو جتنا دبایا گیا وہ اتنا ابھر کر سامنے آیا، اس کو جتنا چھپایا گیا اسلام اتنا ہی زیادہ ظاہر ہوا اور یورپین معاشرے کو اسلام سے بچانے کے لئے وہاں جتنی اسلام مخالف تحریکیں چلائیں گئیں اسلام کا مطالعہ اتنے ہی زیادہ لوگوں نے کرنا شروع کیا جس کے بعد عیسائی، یہودی، ہندو، کیمونسٹ اور دیگر قومیں جوق در جوق حلقہ بگوش اسلام ہونے لگیں۔ عالمی سطح پر اگر دیکھا جائے تو صرف گزشتہ گزرنے والے دو تین سالوں کے عرصے میں امریکہ و یورپ اور خاص کر برطانیہ میں تقریباً چھ لاکھ سے زائد افراد مسلمان ہو چکے ہیں، روز بروز ان کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے اور قرآن مجید ان کی پسندیدہ کتاب بن گئی ہے جس کا مطالعہ لوگ بڑے ذوق و شوق سے کر رہے ہیں۔ سوئزرلینڈ میں 40 ہزار خواتین و مرد مشرف بہ اسلام ہو چکے ہیں۔ اسپین میں بھی دو لاکھ سے زائد مرد و خواتین اسلام میں داخل ہو چکے ہیں۔ فرانس میں بھی اسلام تیزی سے پھیل رہا ہے اور دنیا بھر میں روزانہ اوسطاً اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد 9 سو کے قریب پہنچ چکی ہے۔ امریکہ اور فرانس میں اسلام دوسرا بڑا مذہب اور برطانیہ میں تیسرا بڑا مذہب بن چکا ہے اور تمام تر مخالفت و مخاصمت کے باوجود اسلام ہالینڈ اور انگلینڈ میں بہت تیزی سے پھیل رہا ہے اور مزے کی بات یہ ہے کہ جو ممالک اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بہت زیادہ سرگرم عمل ہیں، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پابندیاں لگا رہے ہیں، انہی میں اسلام کی روشنی بڑھ رہی ہے۔

برطانیہ سے شائع ہونے والے ایک مشہور اخبار کی رپورٹ کے مطابق بہت سے برطانوی باشندے اسلام کی حقانیت سے متاثر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہو رہے ہیں۔ متعدد برطانوی شہروں میں قائم اسلامک سنٹرس میں برطانوی شہریوں کی ایک بڑی تعداد مسلمان ہونے جا رہی ہے جیسے کہ کچھ عرصہ قبل برطانوی شہریوں کے ایک بڑے گروپ نے ایک اسلامک سنٹر کی مسجد میں اسلام قبول کیا اسی طرح کچھ عرصہ

قبل یہ خبر آئی تھی کہ سابقہ برطانوی وزیراعظم ٹونی بلیئر کی سسٹران لاء یعنی سالی صاحبہ نے اسلام قبول کیا اور اسلام قبول کرنے کے بعد اس کی پرزور تبلیغ بھی شروع کردی ہے۔ کفر کی تاریکیوں سے اسلام کی روشنی میں آنے والی برطانوی خاتون "لارن بوتھ" آج مغربی حلقوں میں اسلام کی سچائی کی علامت کے طور پر پورے وقار کے ساتھ موجود ہیں۔ ان سے متاثر ہوکر اور بہت سے بڑے خاندانوں کے لوگ بھی اسلام قبول کررہے ہیں۔ اسی طرح گذشتہ دنوں مغربی تہذیب سے تنگ آکر اور اسلام کی حقانیت و اسلام کے خاندانی نظام سے متاثر ہوکر برطانوی رائل ایرفورس سے تعلق رکھنے والے چیف پائلٹ انسٹرکٹر نے اسلام قبول کرلیا۔

برطانوی شہزادوں کو طیارہ اڑانے اور ان کو ہوابازی کی تعلیم دینے والے پائلٹوں کے ہیڈ ڈاکٹر جوئل ہیوارڈ کے قبول اسلام کی خبر نے دنیا بھر کے اسلام مخالف حلقوں میں ہلچل مچادی ہے۔ برطانوی ذرائع ابلاغ کی شائع کی گئی رپورٹ کے مطابق ڈاکٹر جوئل برطانیہ کے رائل ایرفورس سے تعلق رکھتے ہیں اور برطانوی فضائیہ کے سب سے مشہور اور اہم ترین کالج میں ڈین یعنی مدیر کے عہدے پر فائز ہیں۔ ان کے ہاتھوں جہاز اڑانے اور ہوابازی کی تعلیم و تربیت پانے والے سیکڑوں اہم و مشہور افراد شامل ہیں جن میں برطانوی شہزادوں کے نام سرفہرست ہیں۔ ڈاکٹر جوئل اس کالج کے سینئر ترین افسر تصور کئے جاتے ہیں، اس وجہ سے 47 سالہ تجربہ کار اپنے فن میں ماہر و یکتا تصور کئے جانے والے پائلٹ ڈاکٹر جوئل کے قبول اسلام کی خبر سے برطانوی شاہی ایرفورس کے ملٹری کالج میں ایک طوفان آیا ہے کیونکہ ان سے تربیت حاصل کرنے والے بڑے بڑے عہدوں پر فائز افسران اس شش و پنج میں مبتلا ہوگئے ہیں کہ وہ دینی و دنیاوی معاملات میں اپنے قابل قدر و قابل صد احترام معلم کی بات پر یقین کریں اور اسلام کی حقانیت کی طرف مائل ہوں یا پھر برطانوی حکومت کی قائم کردہ پالیسیوں اور قواعد و ضوابط کی پیروی کریں۔ ڈاکٹر جوئل کے بیان کے مطابق وہ برطانوی شہزادے ولیم کو 29 سال کی عمر میں ان کے ٹاپ گن اسٹائل ٹریننگ اسکول میں جہاز اڑانے کی تربیت دے چکے ہیں۔ اس طرح یہ بات برطانوی حلقوں میں مزید اہمیت اختیار کرگئی ہے کہ برطانوی شہزادے ولیم کے استاد نے کیونکر اسلام قبول کیا اور وہ اپنے آبائی دین مسیحیت سے کیوں دستبردار ہوئے ہیں۔ اسی وجہ سے برطانیہ کے عظیم چرچ، برطانوی پادریوں، شاہی خاندان کے لوگوں اور اعلیٰ سیول و فوجی افسران کی جانب سے آنے والے مخالفانہ بیانات کے بعد انہیں ہر طرف سے شدید مخالفت کا سامنا درپیش ہے مگر وہ بھی مرد مومن کی طرح دین اسلام قبول کرنے پر دلی طور پر مطمئن ہیں اور اس پر پوری طرح استقامت اختیار کئے ہوئے ہیں۔

ڈاکٹر جوئل ہیوارڈ اپنے قبول اسلام کے بعد اب رائل اکیڈمی کالج میں کھلم کھلا اسلامی تعلیمات سے آگاہی کی مہم زور و شور سے جلا رہے ہیں اور اسلام کی تبلیغ پوری تندہی سے کر رہے ہیں اور ان کی جانب سے تمام جونیئر افسران و طلباء کو خبردار کیا گیا ہے کہ وہ مسلمانوں کے خلاف کسی بھی قسم کی کوئی غلط بات اپنے منھ سے نہ نکالیں اور کالج کی فضا کو خراب نہ کریں۔ اسلام ایک امن پسند مذہب ہے جو کسی قسم کے تشدد کی اجازت نہیں دیتا ہے اور اگر کوئی افسر اسلام مخالف بات کرتے ہوئے یا کہیں لکھتے ہوئے پایا جائے تو ڈاکٹر جوئل اسے اپنی دفتر طلب کرلیتے ہیں اور وہاں ایک بار پھر اس افسر کی برین واشنگ کرتے ہیں، اس کو اسلام کا پیغام سناتے ہیں اور اسلام کے بارے میں تفصیلی معلومات فراہم کرنے کا سلسلہ شروع کردیتے ہیں۔ ان کا نظریہ ہے کہ جب دنیا کے اور مذاہب کو کھلم کھلا تبلیغ کرنے کی اجازت ہے تو پھر اسلام کی تبلیغ سے کیوں منع کیا جاتا ہے۔ اپنے قبول اسلام کے بعد برطانوی و یورپی ذرائع ابلاغ سے بات چیت کرتے ہوئے ڈاکٹر

جوئل کا کہنا تھا کہ اپنی تحقیق، مطالعے اور تجزیے کے بعد وہ مسلمان ہوئے اور اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ پوری دنیا میں ہونے والی دہشت گردی میں مسلمانوں کا کوئی ہاتھ نہیں ہے اور جہاں بھی مسلمان اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اس کی وجہ ان پر ہونے والے لاتعداد مظالم وستم ہیں جو کہ مغربی طاقتوں کی وجہ سے ان پر ڈھائے گئے۔ انہوں نے برطانیہ کی حکومت کی جانب لیبیا اور افغانستان میں جاری خانہ جنگی میں اپنے جہاز اور پائلٹس بھیجے جانے پر بھی کڑی تنقید کی اور ٹونی بلیئر پر ہونے والے افغانستان وعراق کے کیسوں کا حوالہ دیا۔ انہوں نے کہا کہ برطانوی حکومت مختلف حیلوں بہانوں سے ہر مسلم ملک کے اسٹرکچر کو تباہ کرنے کے منصوبے کا حصہ بن رہی ہے اور کہا کہ برطانوی حکومت کے پاس وہ کونسی اتھارٹی اور کون سے شواہد ہیں جن کی بنیاد پر کارروائی کرتے ہوئے انہوں نے دوسرے ملکوں کے انفرا اسٹرکچر کو تباہ کیا ہے جب کہ حقیقت دنیا جانتی ہے کہ برطانیہ اور اس کے اتحادی ممالک کی جانب سے کئے جانے والے تمام دعوے تا حال کھوکھلے ثابت ہوئے ہیں اسی وجہ سے قبول اسلام کے بعد ڈاکٹر جوئل کی جانب سے مسلمانوں اور اسلام کے حق میں کی جانے والی وکالت کو اعلیٰ فوجی وسیول حکام بڑی ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھ رہے ہیں جس کی ڈاکٹر کو پرواہ نہیں ہے بلکہ انہوں نے قبول اسلام کے فوری بعد کچھ ایسے حقیقی، تلخ اور حساس موضوعات پر گفتگو کی جس کی وجہ سے وہ سب کی نظروں میں آکر تنقید کی نذر ہوگئے ہیں۔ اس میں یہودیوں کے ہولوکاسٹ کے نظریے کی مخالفت کے علاوہ برطانوی حکومت کی ان پالیسیوں پر تنقید کی گئی جس کے تحت برطانوی افواج اور برطانوی پائلٹس کو مختلف اسلامی ملکوں میں کارروائیوں کے لئے بھیجا گیا ہے۔

ڈاکٹر جوئل ہولوکاسٹ کی حقیقت کو ماننے سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ گیس چیمبر میں جلا کر ہلاک کئے جانے والے یہودیوں کی بیان کی گئی تعداد سراسر غلط اور جھوٹ پر مبنی ہے اور اس پروپیگنڈے کے ذریعے امریکہ، برطانیہ اور یہودی لابی اپنے خاص مقاصد حاصل کرنا چاہتی تھی اور اس کے ذریعے وہ مشرق وسطیٰ میں مسلمانوں پر ظلم ڈھانا چاہتی تھی اور ان کے وسائل پر قبضہ کرنا چاہتی تھی۔

الحمدللہ اسلام دنیا میں بڑی تیزی کے ساتھ پھیل رہا ہے اور دنیا میں جو بھی اس کی حقانیت وحقیقت کو پاتا ہے وہ مشرف بہ اسلام ہوجاتا ہے جیسا کہ گزشتہ سال سعودی عرب میں تعمیراتی پروجیکٹ میں کام کرنے والے 660 چینی باشندوں نے بیک وقت اسلام قبول کیا جب کہ اس سے قبل سری لنکن اور فلپائنی قومیت کے کافی لوگ اسلام قبول کرچکے ہیں۔

اسی طرح افغانستان میں طالبان سے برسرپیکار امریکی فوجی بھی اسلامی تعلیمات اور قرآن مجید کے مطالعے سے اسلام قبول کررہے ہیں۔ اگر اسی رفتار سے اسلام پھیلتا رہا تو ان شاء اللہ ایک دن ایسا بھی آئے گا کہ اسلام دنیا کا پہلا بڑا مذہب ہوجائے گا۔ اس بات کی تصدیق دنیا کے 220 بڑے ممالک سے مردم شماری کے اعداد اکٹھے کرنے والے ادارے (فورم آن ریلیجن اینڈ پبلک لائف) کی جاری کردہ اس رپورٹ سے بھی ہوتی ہے جس میں یہ بات تفصیلاً بتائی گئی ہے کہ دنیا کا ہر چوتھا شخص مسلمان ہے اور اگر اسی طرح ہوتا رہا تو اسلام چند سال بعد دنیا کا پہلا مذہب بن جائے گا اور اگر ڈاکٹر جوئل کی طرح کے لوگ اسلام قبول کرتے رہے جن کو دیکھ کر دسیوں برطانوی افراد اسلام لانے کے بارے میں سوچ رہے ہیں اور کئی مسلمان بھی ہوگئے ہیں تو عنقریب اسلام بہت جلد پوری دنیا میں پھیل جائے گا۔ کفر چاہے اس کو روکنے کے لئے کتنا ہی زور لگالے مگر وہ اس کو روک نہیں سکے گا۔ علامہ اقبال صاحبؒ نے کیا خوب فرمایا ہے:

ہے عیاں شورش تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

□□□

آخری صفحہ

مولانا محمد قمر الزماں ندوی
استاذ مدرسہ نور الاسلام کنڈہ پرتاپگڑھ

# دینی مدارس سے بے توجہی کی بنیادی وجہ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی خدمت میں ایک پریشان حال خاتون حاضر ہوئی اور اپنی مشکل بتا کر تعویذ کی درخواست کی، حضرت تھانویؒ کا چونکہ ایسے لوگوں کو شرکیہ ٹوٹکے اور ٹونوں سے بچانے کے لئے کچھ قرآنی آیات لکھ کر دینے کا معمول تھا، تعویذ دے دیا، تعویذ کو چٹکی میں پکڑ کر وہ لے چلی، وہ چٹکی سے گر گیا، آگے چلی تو دروازہ پر دوبارہ گر گیا، وہاں سے اٹھایا تو سیڑھیوں پر گر گیا، حضرت نے دیکھا، تو اس کو بلایا اور فرمایا اچھا والا تعویذ دے دوں، چار آنے کا ملے گا؟ وہ بولی حضرت چاہے آٹھ آنے یا روپیہ کا ہو، مگر تعویذ اچھا والا ہی دیجئے، حضرت نے وہ تعویذ لے لیا اور دوسرا لکھ کر دے دیا، چار آنے لے کر ایک خادم کو دے دئے کہ جب واپس آئے تو اسے دے دینا، اور اس سے کہا کہ کام ہو جائے تو یہ تعویذ واپس کر جانا، چار آنے دے کر خاتون نے وہ تعویذ لیا، اور دوپٹہ کے پلو میں بڑی قدر سے لپیٹا اور گرہ لگائی، اور گرہ کو سینہ سے لگا کر قدر سے لے کر چلی۔

حضرت تھانویؒ نے فرمایا: اب اس کے پیسے خرچ ہو گئے تو اس تعویذ کی قدر پیدا ہو گئی، اب اس کو فائدہ بھی ہوگا، قدر و منزلت نہ ہو تو فائدہ بھی نہیں ہوتا، انسان کی فطرت میں یہ بات اللہ تعالیٰ نے رکھی ہے کہ جب کسی چیز پر اس کی جان و مال اور وقت لگتا ہے، تو اس کی قدر و منزلت دل میں پیدا ہوتی ہے، اور یہ بات اس کے ساتھ لازم و ملزوم ہے کہ جس چیز کی دل میں قدر و منزلت ہوتی ہے، اس پر انسان جان و مال اور دولت سب کچھ خرچ کرتا ہے۔

آج مدارس اسلامیہ کی قدر و منزلت جو لوگوں کے دلوں سے ختم ہو گئی ہے اور ان مدارس کی اہمیت و وقعت ان کے دلوں میں نہیں ہے، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ چونکہ ان کا مال و دولت مدارس اسلامیہ میں صرف نہیں ہو رہا ہے، اس لئے ان کی اہمیت ان کی نظروں میں نہیں ہے: لیکن جو لوگ مدارس اسلامیہ میں اپنی رقوم زکوۃ، صدقہ، امداد اور عطیہ کی صورت میں خرچ کرتے ہیں، مدارسِ اسلامیہ میں جا کر وہاں کے نظامِ تعلیم و تربیت کا مشاہدہ کرتے ہیں اور قریب سے اس کا مشاہدہ کرتے ہیں، آج ان کے دلوں میں ان مدارس کی اہمیت سب سے زیادہ ہے۔

وہ دینی مدارس کو اس ملک میں مسلمانوں کے ملی تشخص و بقا کی علامت اور ان کی عظمت کا نشان سمجھتے ہیں، اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے وجود سے ہمارا وجود و بقا متعلق ہے۔ اور ان کے دم سے ہماری زندگی میں بہار ہے۔ لیکن ایک بڑا طبقہ بلکہ اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو دینی اداروں، مدارس اور علماء مدارس اور خدام مدارس سے حد درجہ استخفاف بلکہ اہانت کا رویہ رکھتے ہیں۔

ایک موقع پر حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کے ایک خادم خاص حضرت صوفی انیس صاحبؒ نے حضرت والا سے ایک بار عرض کیا کہ حضرت اپنے شیخ سے استفادہ کی بنیادی کلید کیا ہے؟

حضرت والا نے جواب دیا کہ کسی بھی دینی ذریعے سے مسجد، کتاب، قرآن وحدیث، استاذ، شیخ سے استفادہ کی بنیادی کلید ہے عظمت۔ سوال کیا کہ سب سے بڑی رکاوٹ کیا ہے؟ حضرت نے جواب دیا استخفاف یعنی اہانت اور ہلکا سمجھنا، کیا ہوا شیخ ہی تو ہے، ایک بشر ہی تو ہے، مولوی ہی تو ہے، کتاب ہی تو ہے۔ افسوس ہے کہ دینی مدارس اور علماء مدارس اور خدام مدارس کے سلسلے میں امت میں حد درجہ استخفاف بلکہ اہانت کا معاملہ پایا جاتا ہے۔